# اسلامی فقہ

المستوى:الأول | 1 | درجہ:اول

إعداد: قسم التعليم — تیار کردہ:شعبۂ تعلیم

ترجمة : أبو فيصل سميع الله رحمہ اللہ

تصحيح وإضافة: أبو أسعد قطب محمد الأثري

تحت إشراف — زیر نگرانی

المكتب التعاوني للدعوة وتوعية الجاليات بالربوة

ISLAMIC PROPAGATION OFFICE IN RABWAH
P.O.BOX 29465 ARRIYADH 11457
TEL 4454900 – 4916065 FAX 4970126

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# علم حاصل کرنے والے کا مقام و مرتبہ

علم حاصل کرنے والے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿يَرْفَعِ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمْ وَٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْعِلْمَ دَرَجَٰتٍ﴾(سورة المجادلة: ١١)۔ ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور جو علم دیئے گئے، اللہ ان کے درجات بلند کرتا ہے''۔

ایک دوسری آیت میں اللہ تعالی نے یوں فرمایا: ﴿ وَقُل رَّبِّ زِدْنِي عِلْمًا ﴾(سورة طه: ١١٤)۔''اور یہ دعا کریں کہ پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرمادے''۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں متلاشی علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ اس طرح فرمایا: (مَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللَّهُ لَهُ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ) { الترمذي:٢٦٤٦ ومسلم :٣٨/٢٦٩٩ مطولا ، ابن ماجه :٢٢٥ } صحیح۔

''جس کسی نے علم دین کی طلب کا راستہ اپنایا، اللہ تعالی اس شخص کیلئے جنت میں جانے کا راستہ آسان بنادیتا ہے''۔

## فقہ کی تعریف:

فقہ کا لغوی معنٰی: کسی بھی چیز کا علم اور اس کی فہم، چاہے وہ پیچیدہ اور دقیق ہو یا واضح اور آسان۔(لسان العرب لابن منظور، مادۃ فقہ، ج/١٣ ، ص:٥٢٢، النهاية في غريب الحديث، مادۃ فقہ، ج/٣ ، ص:٤٦٥ )۔

اور اسی معنی میں اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا ﴾(سورة الاعراف: ١٧٩)''ان کے دل ایسے ہیں جن سے وہ نہیں سمجھتے''۔

نیز اسی معنی میں ہے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا جو آپ نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حق میں فرمائی تھی: ''اللهم فقه في الدين''۔اے اللہ تو ان کو دین کا علم و فہم عطا کردے۔( صحیح البخاری:١٤٣، صحیح مسلم:٢٤٧٧)

☆بعد کے ادوار میں فقہ کے لفظ کا غالبا اطلاق علم دین و شریعت پر ہونے لگا اور بالخصوص علم شریعت کے فروعی مسائل پر کیونکہ علوم شریعت کے تمام انواع واقسام میں علم فقہ کو بڑا شرف ومقام حاصل ہے۔

**فقہ کا اصطلاحی معنی:** أَلْعِلْمُ بِالْأَحْكَامِ الشَّرعِيَّةِ الْعَمَلِيَّةِ مِنْ أَدِلَّتِها التَّفْصِيْلِيَّة۔ شریعت کی تفصیلی دلیلوں (قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ وغیرہ) سے مستنبط اس کے عملی احکام (روزہ نماز اور حج و زکوۃ وغیرہ) کا علم ومعرفت۔اور اسی کا دوسرا نام فقہ اسلامی ہے۔

☆فتوی اور قضا کا مطلب: فتوی میں صرف شرعی احکام بیان کیا جاتا ہے اور (قضا) عدالتی فیصلے میں حکم کے ساتھ ساتھ اس کے تنفیذ کو بھی لازم قرار دیا جاتا ہے۔یعنی مفتی محض شرعی حکم بیان کرتے ہیں اور قاضی شرعی حکم کے ساتھ اسے لاگو کرنے کو لازم قرار دیتا ہے۔

## علمائے فقہ کی نظر میں شریعت کے احکام کی دو قسمیں ہیں

۱۔احکام اعتقادیہ: ایسے احکام جن کا تعلق اعتقاد سے ہے مثلااس بات کا علم کہ اللہ ایک ہے،اور محمد ﷺ اللہ کے نبی ہیں،اور اسی اعتقادی احکام کا دوسرا نام احکام اصلیہ وعلمیہ ہے۔

۲۔احکام عملیہ: ایسے احکام جن کا تعلق کیفیت عمل سے ہے چاہے وہ عمل قلبی ہو جیسے نیت کرنا یا غیر قلبی ہو جیسے نماز میں سورہ الفاتحہ پڑھنا،اور کیفیت عمل کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ عمل واجب درجہ کا ہے یا حرام وغیرہ،اور اسی عملی احکام کا دوسرا نام احکام فرعیہ ہے۔

## شرعی احکام کا مطلب

شرعی احکام سے عموماسات چیزیں مرادلی جاتی ہیں،اور انہیں سے جڑی ہوئی چند جزئیات ہیں جن کے ذکر کی یہاں ضرورت نہیں ہے،شرعی احکام انہیں میں سے کسی نہ کسی وصف سے جڑے ہوتے ہیں،اور اسے احکام تکلیفیہ بھی کہتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ واجب :(جب کسی فعل کا واجب ہونا ثابت ہو جائے تو اس)کا معنی ہے اس فعل کا بجالانے والا ثواب کا حقدار ہے اور اسے چھوڑنے والا عقاب اور سزا کا مستحق ہے۔اور اسے حتم، لازم، مکتوب اور فرض بھی کہتے ہیں۔ مثلا:(کتب علیکم الصیام)۔

۲۔ مندوب: فعل مندوب کا بجالانے والا ثواب سے نوازا جائے گا اور اسے چھوڑ دینے کی صورت میں کسی بھی سزا کا مستحق قرار نہ پائے گا۔یعنی کرنے یا نہ کرنے کا اختیار، اور اسے سنت، مسنون اور مستحب و نفل بھی کہتے ہیں۔

۳۔ مباح: جس کے کرنے یا نہ کرنے پر نہ ثواب ملے اور نہ ہی عذاب، اور اسے حلال و جائز بھی کہتے ہیں۔

۴۔ محظور یا محرم: جب کوئی عمل شرعا محظور (ممنوع) قرار پائے تو اس کا مطلب ہے اسے چھوڑنے کی صورت میں ثواب کا حقدار ہو گا اور اس پر عمل درآمد کی صورت میں سزا کا مستحق ہو گا۔اب چاہے وہ عمل بذات خود محظور و محرم ہو جیسے :زنا و شراب نوشی وغیرہ، یا وہ کسی غیر کے سبب محظور یعنی وہ تو مباح ہے لیکن حرام کے لئے وسیلہ بن رہا ہو۔ اہل علم نے صراحت کی ہے کہ شریعت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اس کا چھوڑنا لازم ہے، محض اس ناتے نہیں کہ وہ اس فعل کی ادائیگی کی استطاعت نہیں رکھتا۔

۵۔ مکروہ: جب کوئی فعل اپنے وصف کے لحاظ سے مکروہ قرار پائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس کے ترک کی بجاآوری پر نہ ثواب کا مستحق ہو اور نہ ہی اس کے کر گزرنے پر سزا کا حق دار ٹھہرے۔

۶۔ صحیح: ایسا عمل جس پر اس کے اثرات مرتب ہوں، اس عمل سے مقصود چاہے عبادت ہو یا معاملہ۔

۷۔ فاسد: ایسا فعل جس پر اس کے اثرات مرتب نہ ہوں چاہے وہ عبادات کی شکل ہو یا معاملات کی۔

## فقہ کے فروعی (عملی) احکام بنیادی طور پر دو قسموں پر مشتمل ہیں

۱۔ فقہ العبادات: (عبادات کی فقہ و فہم) اس کا تعلق شریعت کے عملی احکام سے ہے یعنی بندوں کے افعال اور اللہ سبحانہ تعالی سے ان کے روابط کا جاننا جیسے طہارت اور نماز، زکاۃ اور روزے وغیرہ۔

۲۔ فقہ المعاملات: (باہمی روابط کی فقہ و فہم) اس کا تعلق شریعت کے جملہ عملی احکام سے ہے جو مکلف کے باہمی روابط کو منظم اور مضبوط کرتے ہیں جیسے شہری اُمور، عائلی وخاندانی مسائل سے متعلق اُمور، حدود اور تعزیرات، حکمراں اور رعایا کے درمیان روابط، بین الاقوامی تعلقات، تجارتی لین دین، نکاح و طلاق اور اقتصادی احکام کی فقہ و جانکاری وغیرہ۔

مذکورہ بالا تعریف سے یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہ جہاں ایک ''روحانی نظام ''کانام ہے یعنی بندے کو اس کے رب سے جوڑنے کا کام کرتا ہے، وہیں ساتھ ہی ساتھ وہ ایک ''مدنی نظام '' بھی ہے کہ جس کے ذریعہ معاشرہ کا ہر فرد اپنے باہمی معاملات میں ایک دوسرے سے مربوط ہو جاتا ہے کیوں کہ شریعت اسلامی اسی مقصد کی خاطر آئی ہے کہ دین ودنیا کے تمام معاملات کو منظم ومربوط کردے، اور دونوں جہان کی سعادتوں سے لوگ بہرہ مند ہوں۔

## فقہ اور شریعت میں فرق

شریعت اور فقہ میں عظیم فرق ہے اس حیثیت سے کہ شریعت اللہ کی طرف سے نازل شدہ دین ہے جو معصوم و مقدس ہے جس میں خطا کا ادنی شبہ بھی نہیں ہے اور ہر زمان و مکان کے لئے اور ہر فرد وبشر کے لئے یکساں مفید ہے، اور فقہ حقیقت میں فقہاء و مجتہدین کی اسی شریعت کی فہم کا نام ہے جس میں خطا اور صواب کا امکان ہے، اگر فقہاء و مجتہدین کی فہم ورائے صحیح و برحق ہو تو وہ شریعت کے موافق قرار پائے گا، اور اگر وہ مخالف ہو تو اسے اجتہاد تو کہا جاسکتا ہے پر وہ شریعت کا حصہ نہیں بن سکتا، فقہ وشریعت کے مابین فرق کو چند سطور میں کچھ یوں ملخص کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ شریعت اور فقہ کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کا تعلق ہے: اس حیثیت سے کہ شریعت عملی، عقدی اور اخلاقی تمام موضوعات کو شامل ہے جب کہ فقہ صرف عملی احکام کے ساتھ مخصوص ہے، اور یہ علماء کے اجتہاد پر مشتمل ہے چاہے وہ اپنے اجتہاد میں حق وصواب کو پہنچے ہوں یا خطا کے شکار ہوگئے ہوں، اور مجتہدین کے جو آراء و فقہ شریعت کے عین مطابق ہوں گے صرف وہی شریعت کے جزء شمار کئے جائیں گے۔

۲۔ شریعت کامل اور فقہ ناقص ہے: اللہ تعالی نے قرآن کریم میں اس کی وضاحت کچھ اس انداز میں کی ہے: ﴿ٱلۡيَوۡمَ

أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗا ﴾ (المائدۃ:۳)۔ ''آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا، اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا، اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا''۔

اور اسی وجہ سے شریعت تمام قواعد اور اصول کو شامل ہے، اور فقہ حقیقت میں ایک استنباط ہے جس کو مجتہدین نے انھیں اصول و قواعد پر اعتماد کرتے ہوئے قرآن و حدیث سے کیا ہے۔

۳۔ شرعی احکام معصوم ہیں اس میں ادنی خطا کا بھی امکان نہیں ہے کیونکہ یہ احکام الٰہی ہے، اس کے برعکس فقہ کے احکام جسے علمائے فقہ نے مستنبط کیا ہے وہ امکان خطا سے پاک نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ شخصی فہم ہے جس میں خطا کے واقع ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا (تاریخ الفقہ الاسلامی لدکتور عمر سلیمان الاشقر)۔

۴۔ فقہ کے برخلاف شریعت عام ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ ﴾ (الأنبياء:۱۰۷)۔ اس آیت میں ساری بشریت کو مخاطب کیا گیا ہے جس سے شریعت کے مقاصد اور اس کے عمومیت کا پتہ چلتا ہے جب کہ فقہ کو یہ درجہ و مقام حاصل نہیں۔

۵۔ شریعت اسلامیہ تمام انسانوں کو پابند بناتی ہے جب ان کے اندر مکلف ہونے کے سارے شروط موجود ہوں، تو وہ شریعت کے جملہ احکام کا ملزم و پابند ہوگا چاہے ان کا تعلق عقیدہ کے باب سے ہوں یا عبادت یا اخلاق و عادات سے ہوں، شریعت کے ان اوصاف پر غائر نظر ڈالنے کے بعد آپ اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ فقہ کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے کیونکہ فقہ تو محض شرعی دلیلوں سے مستنبط ایک مجتہد کا اجتہاد ہے، اور کسی بھی مجتہد کی کسی بھی رائے کا دوسرا مجتہد پابند نہیں ہے، نیز ایک دوسرا اہم پہلو یہ بھی ہے کہ فقہ معاشرے کی مشکلات کا علاج مخصوص جگہ یا محدود وقت کے لئے کر سکتا ہے، اس کا امکان باقی ہے کہ وہ دوسری جگہ اور بعد کے ادوار میں ان مشکلات کے حل کے لئے مناسب نہ ہو جب کہ شریعت کی یہ عظیم خوبی ہے کہ وہ اپنے جوہر کمال سے ہر دور اور ہر جگہ کے لئے جملہ مشکلات کا تشفی بخش حل پیش کرتی ہے۔

# فروعی مسائل میں فقہاء کے درمیان اختلاف کے اسباب

اللہ کی طرف سے اس امت پر عظیم نعمت ہے کہ اس کے درمیان رونما ہونے والے اختلاف کا تعلق دین کے اصول اور مصادر اصلیہ میں نہیں ہیں بلکہ وہ فروعی مسائل میں ہیں جو امت کی وحدت کے لئے بڑے ضرر کا پیش خیمہ نہیں ہیں کیونکہ دور نبوی میں جب اصحاب رسول کے مابین کوئی اختلاف رونما ہوتا تو وہ اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اپنے باہمی اختلافات (چاہے وہ کلام الٰہی کے بارے میں ہوں یا احکام الٰہی سے متعلق ہوں جس کا حکم ابھی تک نازل نہ ہوا ہو) کو پیش کرتے اور رسول اللہ ﷺ اس کا کافی وشافی جواب دیتے یا اللہ کی طرف سے قرآن کا نزول ہوتا اور اللہ کے نبی ﷺ اپنے صحابہ کو اس سے مطلع فرمادیتے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد احکام شریعت میں امت کے درمیان واقع ہونے والے اختلافات شریعت کے اصول اور مصادر شریعت کے اصول کو مات نہیں دے سکتے بلکہ وہ اپنی اصلیت پر باقی رہیں گے اور اختلاف کا حل انھیں اصول کی روشنی میں ڈھونڈا جائے گا، اس کی بہت ساری مثالیں عہد صحابہ میں ملتی ہیں، مثال کے طور پر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما نے مہاجرین وانصار میں کبار صحابہ کے ساتھ شام کا سفر کیا دوران سفر یہ خبر موصول ہوئی کہ شام میں وبائی (طاعون) کی بیماری پھیلی ہے، آپ ٹھہر گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے لگے، اس وقت صحابہ کرام کی دورائیں سامنے آئیں، بعض صحابہ نے واپسی کی رائے دی اور بعض نے سفر کو جاری رکھنے کی رائے دی، اسی قافلہ میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے لیکن کسی ذاتی ضرورت کی وجہ سے بوقت مشورہ موجود نہ تھے، جب آئے اور صورت حال کو دیکھا تو عرض کیا کہ مجھے اس بارے میں علم ہے، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے: « إذا سمعتم به في أرض فلا تقدموا عليها، وإذا وقع بأرض وأنتم بها فلا تخرجوا فرارا منه » (البخاري :٥٧٢٩، مسلم: ٢٢١٩)۔

پتہ یہ چلا کہ بوقت اختلاف ہمیں بلا قیل وقال قرآن وحدیث کی طرف واپس آنا چاہئے کیونکہ یہی صحابہ کا منہج تھا، ذیل کے چند سطور میں اختلاف کے اہم اسباب ذکر کئے جارہے ہیں:

ا۔دلیل کا نہ پہنچنا:

ایسا ہونا صرف عہد صحابہ کے بعد ہی نہیں بلکہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے درمیان بھی ان کے دور میں ایسا ہوا، اس کی کئی مثالیں بھی کتب احادیث میں مذکور ہیں، طوالت کے خوف سے صرف ایک پر اکتفا کر رہا ہوں: اس کی مثال عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے شام کے سفر کے دوران واقع ہونے والا وقعہ ہے جس کا ذکر چند سطور قبل گذرا ہے۔ نیز علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کی یہ رائے کہ جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے اس کی دو عدتوں میں سے طویل مدت کا اعتبار کیا جائے گا مثلا اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو، اور چند دنوں کے بعد بچے کی ولادت ہو جائے تو وہ وضع حمل کی عدت نہ گذار کر چار مہینے دس دن کی عدت گذارے گی جبکہ صحیح بخاری و مسلم میں سبیعہ اسلمیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کی وفات کی چند راتوں ہی کے گذرنے کے بعد بچے کا جنم دیا اور اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں شادی کی اجازت دے دی (بخاری:٥٣١٨ ، ٥٣٢٠، مسلم:١٤٨٤)

اس بات کو پورے یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ان دونوں عظیم صحابہ کو اگر یہ حدیث پہنچی ہوتی تو قطعی طور پر اس پر عمل کرتے، اور اس حدیث کے خلاف اپنی رائے کا اظہار نہ فرماتے۔

۲۔اس شخص کو حدیث تو پہنچی لیکن اس نے نقل کرنے والے پر اعتماد نہ کیا بلکہ یہ رائے قائم کرلی کہ جو اس کے مخالف ہے وہ اس سے قوی ہے، اور پھر اسے قوی سمجھ کر اخذ کر لیا، اور ایسا بعد کے دور میں ہی نہیں بلکہ خود صحابہ میں بھی رونما ہوا، اس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

صحیح مسلم (١٤٨٠) میں فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کا واقعہ کچھ یوں مذکور ہے کہ ان کے شوہر نے انھیں تین طلاق (بائن) دے دی، اور عدت کی مدت کے لئے نفقہ کے طور پر جو بھیجا، لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا، دونوں اس مسئلے کو لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی: «انه لا نفقة لها ولا سكني» ''نہ تو ان کے لئے نفقہ ہے اور نہ رہائش''۔

یہ شریعت کا دستور ہے کہ جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دے، اور ہو حاملہ نہ ہو تو شوہر پر نہ تو اس کا نان و

نفقہ ہے اور نہ ہی رہائش جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَإِن كُنَّ أُوْلَاتِ حَمْلٍ فَأَنفِقُواْ عَلَيْهِنَّ حَتَّىٰ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق : ٦)، عمر فاروق رضی اللہ عنہ علم و فضل کے اعلی مقام پر فائز ہونے کے باوجود آپ سے یہ سنت پوشیدہ رہ گئی، اور اس مسئلے میں آپ کی یہ رائے تھی کہ وہ نان و نفقہ اور رہائش کا حقدار ہے، اور آپ نے اس احتمال کی بنا پر فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کو رد کر دیا، آپ سے بھول ہوئی ہے اور عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا: کیا ہم ایک عورت کی بات سے اپنے رب کے فرمان کو نظر انداز کر دیں گے جس کے بارے میں ہمیں یہ معلوم نہیں کہ یہ بات اس کی یادداشت میں ہے یا بھول گئی ہے؟ یعنی امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس دلیل سے مطمئن نہ ہوئے جس کی وجہ سے اس حدیث کے خلاف رائے قائم کی، اس طرح کی مثالیں اہل علم کے یہاں بکثرت پائی جاتی ہیں کہ بعض اہل علم کے نزدیک ایک حدیث صحیح قرار پاتی ہے اور وہ اس سے استدلال کرتے ہیں جبکہ وہیں دوسروں کے نزدیک وہی حدیث ضعیف قرار پاتی ہے، اور وہ ان کے نزدیک قابل عمل نہیں سمجھی جاتی، اس کی اصل وجہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کرنے والے پر اعتماد یا عدم اعتماد ہے۔

### ۳۔ شخص کو حدیث تو پہنچی پر وہ اسے بھول گیا:

بھولنا انسان کی خاصیت ہے جیسے وہ اپنے معمول کے کاموں کو بھول جاتا ہے ایسے ہی وہ اپنے شرعی امور کو بھی بھول جاتا ہے، اور یہ عام انسانوں کے ساتھ ساتھ اللہ کے نبیوں کو بھی لاحق ہوتا ہے کتنے ایسے لوگ ہیں جو حدیث رسول کیا قرآنی آیات تک بھول جاتے ہیں، اس کی مثال صحیحین کی حدیث میں یوں مذکور ہے:

واقعہ کچھ یوں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مقصد کے خاطر عمر بن خطاب اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کو ایک مہم پر روانہ کیا، اور دوران سفر دونوں جنبی ہو گئے، عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے اجتہاد کی، اور یہ رائے قائم کی کہ طہارت حاصل کرنے میں مٹی پانی جیسا ہے اور اس کی بنا پر انھوں نے مٹی میں لوٹ پیٹ کی، اور پھر نماز ادا کر لی لیکن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایسا نہ کیا اور نہ نماز ہی ادا کی، جب دونوں سفر سے واپس آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی صحیح رہنمائی فرمائی، اور عمار رضی اللہ عنہ سے فرمایا: «انما كان يكفيك ان تقول

بيديك هكذا »''آپ کے لئے صرف اتنا کرنا ہی کافی تھا کہ دونوں ہاتھوں سے ایسا کرتے'' ، پھر آپ نے ایک بار اپنے دونوں ہاتھوں کو زمین پر مارا، اور اس کے بعد بائیں ہاتھ کو داہنے ہاتھ پر پھیرا، اور دونوں ہتھیلیوں کے اوپری حصہ پر، اور پھر اپنے چہرے پر پھیرا۔

اس حدیث کو عمار اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے دورہ خلافت اور اس سے پہلے بھی بیان کرتے رہتے تھے لیکن ایک دن عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انھیں طلب کیا، اور ان سے پوچھا: یہ کیسی حدیث ہے جسے آپ بیان کرتے ہیں ؟'تو عمار رضی اللہ عنہ نے جواباً اپنے سفر کے داستان کو بیان کرتے ہوئے جس میں وہ خود موجود تھے اسے یاد کرایا، اور کہا: کیا ہم دونوں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ حدیث نہیں سنے تھے: «انما كان يكفيك ان تقول بيديك هكذا » لیکن عمر رضی اللہ عنہ کو یہ یاد نہ پڑا اور پھر عرض کیا: اے عمار! اللہ سے ڈرو، تو عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ نے آپ کی اطاعت مجھ پر فرض کی ہے اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں اس حدیث کو نہ بیان کروں تو میں ایسا ہی کروں گا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جاؤ اس معاملے کو میں آپ کے سپرد کرتا ہوں یعنی بیان کرو۔(البخاري: ٣٣٨- ٣٤٥- ٣٤٦ ومسلم : ٣٦)۔

اس واقعہ کی روشنی میں یہ بات واضح ہو گئی کہ انسان کوئی بھی ہو بھول سکتا ہے، اور اس پر شرعی حکم مخفی ہو سکتے ہیں، اس بنا پر اسے معذور سمجھا جائے گا، لیکن جسے دلیل مل جائے اسے معذور نہیں سمجھا جائے گا۔

۴-اس شخص کو حدیث تو پہنچی لیکن اسکے مفہوم و مقصود کے خلاف سمجھا:

اس طرح کے مسائل بھی قرآن و حدیث کے فہم نصوص میں موجود ہیں جس کی ایک مثال قرآن کریم کی ایک آیت کی روشنی میں پیش کی جارہی ہے جس کا تعلق تیمم سے ہے اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَإِن كُنتُم مَّرۡضَىٰٓ أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوۡ جَآءَ أَحَدٞ مِّنكُم مِّنَ ٱلۡغَآئِطِ أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُواْ مَآءٗ فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدٗا طَيِّبٗا فَٱمۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَفُوّٗا غَفُورٗا﴾ (النساء : ٤٣) ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو، اور تمہیں پانی نہ ملے، تو پاک مٹی کا قصد کرو، اور اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ مل لو، بیشک اللہ معاف کرنے والا، بخشنے والا ہے ''۔

قرآن کریم کی آیت کے اس ٹکڑے ﴿أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ﴾ سے **بعض مفسرین** نے یہ سمجھا کہ اس سے **مطلق لمس** مراد ہے، اور دوسروں نے اس سے شہوت ابھارنے والا لمس مراد لیا ہے جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہے: اس سے مراد جماع ہے، اور یہی رائے صحیح بھی ہے کیونکہ جب آپ غور کریں گے تو آپ اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ اللہ تعالی نے پانی سے پاکی حاصل کرنے میں دو نوعیت کا ذکر کیا ہے، ایک حدث اصغر اور دوسرا حدث اکبر ہے، حدث اصغر سے پاکی حاصل کرنے کے بارے میں یوں فرمایا: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ وَٱمۡسَحُواْ بِرُءُوسِكُمۡ وَأَرۡجُلَكُمۡ إِلَى ٱلۡكَعۡبَيۡنِ﴾ (المائدة : ٥) ''اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منھ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھولو، اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولو ''۔

اور حدث اکبر سے پاکی حاصل کرنے کے بارے میں اس آیت میں یوں ذکر کیا:

﴿وَإِن كُنتُمۡ جُنُبٗا فَٱطَّهَّرُواْۚ﴾ (المائدة : ٦)''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلو''۔

بلاغت اور بیان کا تقاضا یہ ہے کہ جیسے پانی سے دو نوعیت (حدث اصغر و اکبر) کی طہارت حاصل کی جاتی ہے اور اس کا ذکر اللہ نے مذکورہ آیت میں کیا ہے اسی طرح تیمم سے بھی دونوں نوعیت کی پاکی حاصل کی جائے، لہذا آیت کے اس ٹکڑے ﴿أَوۡ جَآءَ أَحَدٞ مِّنكُم مِّنَ ٱلۡغَآئِطِ﴾ سے حدث اصغر سے پاکی حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اور اللہ کے اس قول ﴿أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ﴾ سے حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنے کی طرف اشارہ ہے، اب اگر ہم بعض مفسرین کی رائے کے مطابق لمس کا معنی مطلق لمس تسلیم کریں یا شہوت کی نیت سے لمس کا معنی لیں تو اس آیت میں صرف حدث اصغر ہی سے پاکی حاصل کرنے کا مطلب ہوگا، اور حدث اکبر سے پاکی حاصل کرنے کا کوئی ذکر نہ ہوگا جو بلاغت قرآن کے تقاضے کے خلاف ہے، لہذا لمس سے لمس مطلق یا لمس بغرض شہوت مراد لیکر وضو ٹوٹنے کی رائے قائم کرنا یہ درست نہیں ہے کیونکہ ان دونوں حالتوں میں وضو نہیں ٹوٹتا ہے کیونکہ حدیث میں یہ مذکور ہے:

« أن النبي صلى الله عليه وسلم قبل بعض أزواجه ثم صلى ولم يتوضأ».''آپ ﷺ نے اپنی بیویوں میں سے کسی کو بوسہ دیا، پھر آپ نماز کے لئے نکل گئے، اور آپ نے دوبارہ وضو نہیں کیا '' ۔

(ابوداود: ۷۹ ، ۱۷۸، ترمذی: ۸٦ ،ابن ماجہ: ۵۰۲ ، ۵۰۳) ۔

## ۵۔اس شخص کو حدیث تو پہنچی پر وہ منسوخ تھی اور اسے ناسخ کا علم نہ ہو سکا:

بعض اوقات ایک شخص کو ایک منسوخ حدیث کا علم ہوتا، اور اسے ناسخ کا علم نہ ہوتا جس کی وجہ سے وہ اسی کے مطابق عمل کرتا حالانکہ وہ حدیث بھی صحیح ہوتی، اور اس کی بھی مثال حدیث میں موجود ہے، ایسا ہی ہوا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ، واقعہ یوں ہے کہ ابتدائے اسلام میں نمازی کے لئے دونوں ہاتھوں کے درمیان تطبیق (دونوں ہاتھ کی انگلیوں کو آپس میں جوڑنا) کر کے دونوں گھٹنوں کے درمیان لٹکانا مشروع تھا لیکن بعد میں یہ طریقہ منسوخ ہو گیا، اور بعد میں رکوع کی حالت میں دونوں ہاتھوں کو دونوں پیروں کے گھٹنوں پر رکھنا مشروع قرار پایا، جیسا کہ صحیح بخاری (۷۹۰) میں اس طریقہ کا منسوخ ہونا ثابت ہے، لیکن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا جس کی وجہ سے وہ تطبیق پر عمل کرتے رہے، ایک دن ایسا ہوا کہ علقمہ اور اسود رضی اللہ عنہما نے آپ کے بغل میں نماز ادا کی تو ان دونوں صحابہ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھا لیکن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں صحابہ کو اس سے روکا، اور انھیں بھی تطبیق کا حکم دیا (صحیح مسلم: ۵۳٤) غور فرمائیں ایسا کیوں ہوا؟ اس لیے کہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اس کے منسوخ ہونے کا علم نہ ہو سکا۔

## ٦-دلیل پکڑنے والے کے پاس دلیل تو پہنچی لیکن اس نے یہ رائے قائم کی کہ وہ دلیل (نص یا اجماع) اپنے سے قوی دلیل کے معارض ہے:

ائمہ کے درمیان اس نوعیت کے اختلافات بکثرت پائے جاتے ہیں، ہم یہ اکثر سنتے اور پڑھتے رہتے ہیں کہ اہل علم کا اس مسئلہ پر اجماع ہے، لیکن اس مسئلہ میں تامل کے بعد یہ ابھر کر آتا ہے کہ اس پر کوئی اجماع نہیں ہے، اجماع کے بارے میں سب سے تعجب خیز بات یہ ہے کہ بعض لوگوں نے یہ نقل کیا ہے کہ غلام کی شہادت پر اہل علم نے اجماع کیا ہے،

اور دوسروں نے یہ نقل کیا کہ غلام کی شہادت قابل قبول نہیں، یہ اجماع کا انوکھا بیان ہے، بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ چند لوگ مل بیٹھ کر کسی ایک رائے پر اتفاق کر لیتے ہیں اور یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ اب اس رائے میں ان کا کوئی مخالف نہیں ہے اور ساتھ ہی یہ اعتقاد کر لیتے ہیں کہ یہ عین نصوص کے مطابق ہے، اس طرح ان کے ذہن میں اجماع اور نص کی شکل میں دو دلیلیں جمع ہو جاتی ہیں اور یہی نہیں بلکہ بسا اوقات یہ رائے بھی قائم کر لیتے ہیں کہ قیاس صحیح اور نظر صحیح کے تقاضے کے مطابق ہے، پھر یہ فیصلہ کر بیٹھتے ہیں کہ یہ کسی بھی نص یا قیاس صحیح کے مخالف نہیں ہے جس کا تصور ان کے یہاں پہلے سے قائم ہے حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے، اس کی مثال مثل سے زیادہ سود کے متعلق عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے ہے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إنما الربا في النسيئة » ''سود صرف ادھار میں ہے'' (بخاري:٢١٧٨ - ٢١٧٩ ومسلم: ١٥٩٦)اور صحیح مسلم میں عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ سے یوں مروی ہے: «إن الربا في النسيئة وفي الزيادة» ''سود صرف ادھار اور مثل سے زیادہ لینے میں بھی ہے'' (مسلم : ١٥٨٧) ۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے بعد تمام اہل علم نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ سود کی دو قسمیں ہیں: مثل سے زیادہ کا سود، اور ادھار کا سود، لیکن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ سود صرف ادھار میں ہے اس کی مثال یوں سمجھیں کہ آپ نے ایک صاع گیہوں دو صاع کے بدلے ہاتھوں ہاتھ بیچا تو یہ بیع ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک درست ہے کیونکہ ان کی رائے کے مطابق سود کا اعتبار صرف ادھار لین دین میں ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے جس پر عبادة بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایت دلالت کرتی ہے کہ بدلے میں زیادہ کا لینا سود کا جزء ہے جیسا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «من زاد أو استزاد فقد أربى» '' جس نے زیادہ دیا یا زیادہ طلب کیا تو یقینا اس نے سودی کام کیا'' (مسلم:١٥٨٧)۔

## ۷-ضعیف حدیث پر عمل کرنا یا ضعیف حدیث سے استدلال کرنا:

اس نوعیت کی مثال بکثرت پائی جاتی ہے، اور امت آج ضعیف حدیث پر عمل کے ناتے بہت بڑی پریشانیوں میں گھری

ہوئی ہے اور اس کی مثال عبادت کے ہر باب میں مل سکتی ہے چاہے وہ طہارت ہو یا صلاۃ، روزہ ہو حج۔
یہ اختلاف کے چند اہم وبنیادی اسباب بیان کئے گئے ہیں، اس کے علاوہ کچھ اور چھوٹے موٹے اسباب ہیں جن کے ذکر کی ضرورت محسوس نہیں ہے۔

## اختلاف کے وقت ہمارا نقطہ نظر

بیان کردہ مذکورہ اسباب کی وجہ سے اختلاف کا وقوع یقینی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ دور حاضر کے ذرائع ابلاغ چاہے وہ شوشل میڈیا ہو یا پرنٹ دونوں کے غیر ذمہ دارانہ بغیر تحقیق شدہ دینی معلومات کی نشر واشاعت نے جلتی آگ پر تیل چھڑکنے کا کام کیا ہے، اور اختلافات کو مزید بڑھاوا دیا نیز شکوک وشبہات میں اضافہ بھی کیا کہ ہم کس کی اتباع کریں؟ ایسی صورت حال میں ائمہ کرام اور ان کے بیان کردہ اجتہادی مسائل میں ہمیں کون سا نقطہ نظر اختیار کرنا چاہیے جس سے ان کا علمی وقار مجروح نہ ہو، اور نہ ہی ہم اس مسئلے میں غلطی کے شکار ہوں اس کے دو اہم پہلو ہیں:

ا۔ علمائے دین سے مقصود وہ علماء ہیں جن کے علم ودیانت کی توثیق وتصدیق ہو چکی ہے، نہ کہ وہ جو محض نام کے ہیں اور علم سے ان کا کوئی سروکار نہیں، نہ وہ علماء کے زمرہ میں شمار کے قابل ہیں اور نہ ہی اہل علم کے اقوال کی طرح ان کے اقوال کی طرف ادنی التفات کی گنجائش ہو، پھر ان حقیقی اہل علم سے کتاب وسنت کی مخالفت کیونکر ممکن ہے؟ ادنی تامل سے ایک متوسط درجہ کے طالب علم کو اس کا صحیح اندازہ ہو جائے گا کہ ان کے درمیان اختلاف کے مذکورہ وجوہات کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

**۲-ائمہ کے اتباع کے بارے میں ہمارا موقف:**

ان ائمہ کرام میں ہمیں کس کی اتباع کرنی چاہئے؟ کیا ایک شخص ایک ہی امام کی اتباع کرے، اور اس کے فتوی سے باہر نہ جائے چاہے وہ غلط کیوں نہ ہو، اور اس کے مقابل میں دوسرے امام کا فتوی صحیح ہی کیوں نہ ہو؟ جیسا کہ عموما مذہبی ومسلکی تعصب رکھنے والوں کے یہاں یہ خصلت پائی جاتی ہے یا ہمارا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ جو دلیل کی بنیاد پر راجح ہو ہمیں اس کی اتباع کرنی چاہئے گرچہ ہم جس امام کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتے ہیں اس کے مخالف ہی کیوں نہ

ہو؟اس کا جواب یہ کہ ہر آدمی کی یہ ذمہ داری ہے کہ دلیل کا علم ہو جانے کے بعد وہ دلیل کی اتباع کرے گرچہ اس سے بعض ائمہ کی مخالفت ہی کیوں نہ ہو چونکہ اس سے اجماع امت کی مخالفت نہیں ہوتی، اور جس کا یہ اعتقاد ہو کہ اللہ کے رسول ﷺ کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جس کے فتوی کو ہر حال اور ہر وقت میں فعل اور ترک کے اعتبار سے واجب ہے تو گویا اس نے رسول اللہ ﷺ کے علاوہ نبوت و رسالت کے خصوصیت کے ساتھ کسی اور کی گواہی دی ہے کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول کے علاوہ کسی اور کے قول کو یہ حکم اور درجہ حاصل نہیں ہے، اور نہ ہی اس روئے زمین پر آپ ﷺ کے سوا کوئی ایسا بشر جنم لیا ہے جس کی بات مانی جائے یا چھوڑی جائے۔

## شرعی دلیلیں

جمہور مسلمین کے نزدیک متفقہ طور پر عملی احکام میں جن شرعی دلیلوں سے استدلال کیا جاسکتا ہے متعینہ طور پر وہ چار ہیں، ساتھ ہی ساتھ اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ استدلال میں درج ذیل ترتیب ہی ملحوظ خاطر ہو گی، ان میں کسی طرح کا ردوبدل کرنا درست نہیں، ان کی تفصیل یوں ہے:

۱۔قرآن کریم ۲۔احادیث مبارکہ ۳۔اجماع ۴۔قیاس

ان چاروں سے استدلال کی شرعی دلیل:

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ إِن كُنتُمۡ تُؤۡمِنُونَ بِٱللَّهِ وَٱلۡيَوۡمِ ٱلۡأٓخِرِۚ ذَٰلِكَ خَيۡرٞ وَأَحۡسَنُ تَأۡوِيلًا ﴾ (النساء: ٥٩)" اے ایمان والو! فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی، اور اپنے میں سے اختیار والوں کی، پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے لوٹاؤ اللہ کی طرف اور رسول کی طرف، اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے، یہ بہت بہتر ہے اور انجام کے اعتبار سے بہت اچھا ہے "۔

آیت میں ﴿أَطِيعُواْ ٱللَّهَ ﴾ کے حکم سے قرآن کریم کی اتباع کا حکم ہے، اور ﴿وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ ﴾ سے احادیث مبارکہ کے اتباع کا حکم، اور ﴿وَأُوْلِي ٱلۡأَمۡرِ مِنكُمۡۖ ﴾ سے ان احکام کے اتباع کا حکم ہے جن پر مجتہدین کی رائے متفق ہو

کیونکہ مسلمانوں میں شرعی قوانین والے یہی لوگ ہیں، اس سے اجماع کا پتہ چلا، اور ﴿فَإِن تَنَٰزَعۡتُمۡ فِي شَيۡءٖ فَرُدُّوهُ إِلَى ٱللَّهِ وَٱلرَّسُولِ﴾ کہ جن مسائل میں نزاع واقع ہو جائے اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹادو، اس سے قیاس کا علم ہوا کیونکہ نہ تو اس سلسلے میں صراحت کے ساتھ کوئی قرآنی آیت اور نہ ہی کوئی حدیث اور نہ ہی اجماع ہے، لہذا اس متنازع فیہ مسئلہ کو قرآن وحدیث کے اس واقعہ سے جوڑا جائے جس کے حکم کی صراحت موجود ہے تاکہ حکم کی علت میں دونوں مسئلے ایک جیسے ہو جائیں، اس آیت کریمہ سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ اصل میں یہی چار دلیلیں ہیں۔

## ترتیب کی دلیل

استدلال کے وقت دلائل کی ترتیب کا لحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے تاکہ ہر دلیل کی اپنی اہمیت برقرار رہے، جیسا کہ امام بغوی رحمہ اللہ نے معاذ رضی اللہ عنہ کے یمن کی طرف کوچ کرنے والا واقعہ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آپ کو یمن کی طرف روانہ کرتے ہوئے الوداع کہہ رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''آپ کے پاس کوئی مسئلہ آئے تو اس کا جواب کیسے دیں گے''؟ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: اس کا فیصلہ قرآن سے کروں گا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: '' اگر قرآن میں وہ نہ مل سکے تو پھر ''جواب دیا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (حدیث) سے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اگر وہ سنت رسول میں بھی نہ ملے تو ''؟ جواب دیا: بلا کم وکاست اجتہاد کروں گا یعنی اجتہاد میں کوتاہی نہیں کروں گا، فرماتے ہیں کہ اس کے بعد اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے یہ دعا دی: ''اس اللہ کے لئے تعریف ہے جس نے رسول اللہ کے قاصد کو رسول اللہ کو راضی کرنے والی توفیق سے نوازا '' (یہ حدیث سنن اور مسانید کی مشہور کتابوں میں موجود ہے لیکن انقطاع کی وجہ سے بہت سارے محدثین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، اور ابن عبدالبر رحمہ اللہ اور ابن القیم رحمہ اللہ نے اسے صحیح قرار دیا ہے)

ان چار دلیلوں کے علاوہ دوسرے دلائل بھی ہیں لیکن جمہور مسلمین کا اس سے استدلال کرنے پر اتفاق نہیں ہے، بلکہ بعض فقہاء نے اس سے استدلال کرنے سے انکار کیا ہے، اور مجموعی طور پر وہ چھ (٦) ہیں:

۱۔ استحسان ۲۔مصالح مرسلہ ۳-استصحاب ۴-عرف ۵۔ مذہب صحابی ٦۔ شریعت سابقہ

## اسلام میں اجتہاد کی حیثیت

**اجتہاد کا لغوی معنی:**

مشقت بھرے کاموں کے ادراک اور حصول کی خاطر پوری کوشش صرف کرنا۔(القاموس الفقہی: ۷۱)۔

اہل عرب کہتے ہیں:اجتهد فی حمل الرحی یعنی فلاں نے بھاری پتھر اٹھانے کی کوشش کی، لیکن وہ یہ نہیں کہتے کہ :اجتهدفلان فی حمل الخردلة فلاں نے رائی کا دانہ اٹھانے کی کوشش کی۔

**اجتہاد کا اصطلاحی معنی:**

حکم شرعی کے حصول(استنباط) میں اپنی پوری طاقت صرف کرنا، بعض لوگوں نے اس کی تعریف کچھ اس طرح بھی کی ہے: کسی قضیہ (مسئلہ) کو قیاس کے طریقے سے کتاب وسنت کی طرف لوٹانا(تاج العروس:۲ .۳۳) ۔

اجتہاد شریعت اسلامیہ کی ایک اہم اصطلاح ہے جس کے ذریعہ مخصوص شرائط کے ساتھ فقہی منابع میں سے عملی احکام کا استنباط کرنا ہے، جو شخص اس صلاحیت کا مالک ہو اسے مجتہد کہا جاتا ہے، جمہور مسلمان اجتہاد کی حجیت کے قائل ہیں اور اس کی حجیت قرآن وحدیث سے ثابت ہیں۔

قرآن کریم سے اجتہاد کی حجیت :ارشاد باری تعالی ہے: ﴿ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَآ ﴾ (محمد: ٢٤) ''کیاقرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ یاان کے دلوں پرتالے لگ گئے ہیں''۔

اس آیت میں اجتہاد کی مشروعیت کی واضح دلیل ہے کیونکہ اس میں حکم شرعی کے اخذ کرنے والوں کو فکر و نظر کو بروئے کار لانے کا حکم ہے۔

**حدیث سے اجتہاد کی حجیت کی دلیل:**

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:« إِذَا حَكَمَ الحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْر» ''اگر حاکم نے اپنے

اجتہاد سے کوئی فیصلہ کیااور وہ اس میں درستگی کو پہنچ گیاتو اسے دوہرا اجر ہے،اور اگر اس نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا لیکن وہ غلطی کا شکار ہو گیاتو اس کے لئے ایک اجر ہے'' (صحیح بخاری:۷۳۵۲'ومسلم:۱۷۱٦)۔

## اجتہاد کی شرطیں

صرف احکام شریعت حفظ کر لینے یا کتابوں سے بعض معلومات حاصل کر لینے کی بناپر کسی بھی شخص کو مجتہد نہیں گردانا جاسکتا جب تک کہ اس میں اہل علم کے بیان کردہ شروط بدرجہ اتم موجود نہ ہوں،اس کی تفصیل درج ذیل سطور میں پیش ہیں:

۱۔ اجتہاد کے لئے جن شرعی دلیلوں (احکام کی آیتیں اور احادیث) کی ضرورت ہے اس کی کامل معرفت حاصل ہو۔

۲۔ حدیث کے متعلق صحیح اور ضعیف،اور سند اور رجال سند کا کامل علم ہو۔

۳۔ قرآن وحدیث کے ناسخ ومنسوخ کا علم ہو۔

۴۔ اجماع کے وقوع کا علم ہوتاکہ خلاف اجماع فیصلہ واقع نہ ہو۔

۵۔ تخصیص یا تقیید کی دلیلوں کا علم ہو جس سے حکم میں تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں تاکہ اس کے برخلاف حکم صادر نہ ہو۔

٦۔ اصول فقہ جس کا تعلق الفاظ کی دلالت سے ہے جیسے عام وخاص، مطلق ومقید، مجمل ومبین کی معرفت کا ہونا تاکہ الفاظ کی دلالت کے تقاضے کے عین مطابق فیصلہ ہو۔

۷۔ زبان عربی پر کامل عبور رکھتا ہو۔

۸۔ قیاس کی تمام شکلوں اور اس کے معتبر شروط کی جان کاری ہو۔

۹۔ پیش آمدہ مسائل کو باریک بینی سے شرعی دلیلوں کی روشنی میں احکام کے استنباط پر قادر اور متمکن ہو۔

## اجتہاد کی اہمیت

بلازمان و مکان کی تحدید کے ہر دور میں اجتہاد اہل علم کا شیوہ رہا ہے بلکہ انسانی زندگی میں پیش آمدہ نت نئے مسائل میں شرعی احکام تک رسائی میں یہ سب سے بڑا اور اہم وسیلہ شمار کیا جاتا تھا اور یہی نہیں بلکہ اسی کے ذریعہ لوگ اپنے اعمال و کردار کی سلامتی میں رہنمائی حاصل کرتے تھے، اس کی اہمیت کے پیش نظر اللہ کے نبی ﷺ نے یوں فرمایا: **«إذا حكم الحاكم فاجتهد ثم أصاب، فله أجران، وإذا حكم فاجتهد ثم أخطأ، فله أجر»** ''اگر حاکم نے اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ کیا اور وہ اس میں درستگی کو پہنچ گیا تو اسے دوہرا اجر ہے، اور اگر اس نے اپنے اجتہاد سے فیصلہ کیا لیکن وہ غلطی کا شکار ہو گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے'' (صحیح بخاری:۷۳۵۲' و مسلم: ۱۷۱۶)۔

## میدان اجتہاد

ہر مسئلہ جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے واضح، قطعی اور صریح رہنمائی موجود ہو اس مسئلے میں اجتہاد جائز اور درست نہیں ہے، بصورت دیگر حسب ضرورت اجتہاد کبھی واجب کے درجہ تک پہنچ جاتا ہے ،قرآن و حدیث میں صراحت ہونے کے باوجود اجتہاد کے دروازے کھولنے سے آپس میں اختلاف اور افتراق پیدا ہو گا جس کی ممانعت اللہ تعالی نے قرآن کی آیت میں یوں فرمایا ہے: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴾ (آل عمران: ۱۰۵) ''تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا، اور اختلاف کیا، انھیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے''۔

## اجتہاد کی ابتدا

کبھی کبھی کچھ ایسے حوادث اور حالات وجود میں آتے ہیں کہ جس کے سلسلے میں نصوص (قرآن و حدیث) سے کوئی صراحت نہیں ملتی، اور نہ ہی اس پر اجماع کی کوئی دلیل ہوتی ہے، تو اس وقت حکم کے استنباط کے لئے اجتہاد ضروری ہو جاتا ہے. اور اس قسم کا واقعہ خود رسول اکرم ﷺ کی زندگی میں پیش آیا، آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو غزوہ خندق کے بعد یہ حکم دیا کہ **« لا يصلين احدكم العصرالا في بني قريظة»** ''تم میں سے کوئی شخص ہر گز نماز عصر نہ پڑھے مگر بنو قریظہ پہنچ کر'' (احمد، البخاری و مسلم)۔

بنو قریظہ جاتے ہوئے راستے میں نماز عصر کا وقت ہو گیا، تو صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا، بعض نے ارادہ کیا کہ ٹھہر کر نماز عصر ادا کر لیں اس خوف سے کہ اس کا وقت تنگ ہوتا ہے. اس کا مطلب یہ کہ انہوں نے نبی ﷺ کی حدیث کو جلدی جانے اور تاخیر نہ کرنے پر محمول کیا، اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین نص حدیث پر عمل کرتے ہوئے برابر چلتے رہے اور راستے میں نماز نہیں پڑھی۔ جب وہ لوگ لوٹ کر آئے، اور رسول اللہ ﷺ کو ان کے ان اختلافی حالات کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے کسی کو خطاوار نہیں کہا۔

## فقہ اسلامی کے ارتقا کے مختلف ادوار

### عہد رسالت

عہد نبوی میں احکام فقہیہ کا مدار کتاب و سنت پر تھا، قرآن کا نزول ہو رہا تھا اور اللہ کے نبی ﷺ صحابہ کرام کو ہر پہلو سے اس کا معنی اور مفہوم سمجھا رہے تھے، اور آپ ﷺ کی عدم موجودگی میں صحابہ کے درمیان کسی مسئلے پر اگر اختلاف برپا ہو جاتا تو اللہ کے رسول ﷺ اس کا حل پیش فرما دیتے، یا خود اللہ کی طرف سے اس کی رہنمائی آ جاتی اور آپ ﷺ اللہ کی طرف سے نازل کردہ رہنمائی قرآن کی شکل میں اپنے صحابہ کو پڑھ کر سنا دیتے، بسا اوقات قرآن فہمی میں بھی اگر اصحاب رسول ﷺ کسی غلط فہمی کا شکار ہو جاتے تو فوراً اللہ کی طرف سے بھی اس کی اصلاح ہو جاتی، رسول اللہ ﷺ کی عدم موجودگی کی صورت میں جب صحابہ اپنے علم و معرفت میں کسی مسئلہ کا واضح حل قرآن و

حدیث میں نہ پاتے تو اجتہاد کرتے، اور بعد میں اس مسئلہ کو رسول اللہ ﷺ پر پیش کر کے اس کی تصحیح و توثیق کرا کے اس کو دائمی شکل دیتے۔

## عہد رسالت کے بعد (سن ۱۱ ہجری) کا دور

عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہادی اختلاف کا کوئی اثر نہیں تھا کیوں کہ رسول اللہ ﷺ ان کے بیچ موجود تھے، نیز بالفاظ دیگر وہ ان کے لئے مرجع تھے ان کی تصحیح اور ان کے لئے امر کو واضح بیان کر دیتے تھے، لیکن آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک دوسرے دور میں داخل ہو گئے، اور وہ نت نئے پیدا ہونے والے مسائل اور قضایا و امور میں مسئلہ اجتہاد تھا، پھر مزید یہ کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین دیگر شہروں اور ملکوں میں جا بسے، اور وہی وہاں کے مرجع اور علمی و فقہی مرکز کی شکل میں قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت کرنے لگے، اس کی چند مثالیں درج ذیل سطور میں پیش کی جا رہی ہیں:

۱۔ **مدینہ نبویہ:** خلفائے راشدین، عائشہ صدیقہ، عبداللہ بن عمر، زید بن ثابت، وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۲۔ **مکہ مکرمہ:** عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما۔

۳۔ **کوفہ:** عبداللہ بن مسعود، ابو موسی، سلیمان، علی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۴۔ **بصرہ:** انس بن مالک، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۵۔ **شام:** معاذ بن جبل، ابو درداء، معاویہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

۶۔ **مصر:** عمرو بن العاص اور آپ کے فرزند عبداللہ رضی اللہ عنہما پہلی صدی ہجری کے اواخر اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں فقہی آراء ظاہر ہونے لگے، اور یہی دو بڑے مدرسے کی شکل میں وجود میں آ گئے، ایک مدرسہ حجاز میں اور دوسرا مدرسہ عراق میں، اور دونوں کے مناہج میں شدید اختلاف تھا جس کی تفصیل یوں ہے۔

## عراق کے مدرسہ کا منہج

عراق میں اموی دور کے اواخر میں اہل الرای کے فقہی مدرسہ کا وجود ہوا، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس کے زعیم قرار پائے جس کی چند خصوصیات درج ذیل سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ اہل الرای کی نظر میں جملہ احکام شریعت معقولۃ المعنی ہیں جو بندوں سے جڑی مصلحتوں پر مشتمل ہیں ، اور ساتھ ہی ساتھ محکم اصولوں اور حکمتوں سے مربوط علل پر اس کی بنیاد ہیں ، اس بنا پر وہ ان علتوں اور حکمتوں کی جستجو کرتے ہیں اور پھر وجود یا عدم وجود کی صورت میں حکم کو اسی سے مربوط کر دیتے ہیں۔

۲۔ خبر واحد کو قبول کرنے میں تشدد کی راہ اختیار کرتے ہیں چونکہ مدینہ کی طرح کوفہ حدیثوں کا شہر نہ تھا بلکہ کوفہ بدعت کا آماجگاہ تھا، اور بدعت و خرافات کی نشر واشاعت میں حدیثیں بھی گڑھی جارہی تھیں۔

۳۔ بہت بڑے پیمانے پر رائے اور قیاس کو دلیل شرعی کی شکل میں استعمال کیا جارہا تھا، غیر واقع شدہ فرضی واقعات کو اساس بنا کر اس پر خوب رائے زنی کی جاتی۔

## حجاز کے مدرسہ کا منہج

اموی دور کے اواخر میں حجاز میں فقہی مدرسہ حدیث وجود پذیر ہوا، اور اس کی سرداری امام مالک رحمہ اللہ نے اپنے سر لی، اور آپ کے بعد آنے والے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ نے اسکی ذمہ داری بحسن وخوبی نبھائی، اس مدرسہ کی گوناگوں خصوصیات کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ نصوص قرآن وحدیث اور آثار صحابہ کے مطابق مسائل کا حل پیش کرتے، اور اس کے ظاہری معنی ومفہوم سے دلیل اخذ کرتے، حکم کی علت کی جستجو کے پیچھے نہیں بھاگتے۔

۲۔ نص (قرآن وحدیث) اور آثار صحابہ کی موجودگی میں رائے کی طرف ادنی التفات بھی نہیں کرتے، اور عادل وثقہ راوی گرچہ وہ اکیلا ہو اس کی روایت قبول کرتے۔

۳۔ حد درجہ ضرورت کے پیش نظر رائے کو قابل اعتماد سمجھتے، ان مسائل کے بیان کرنے سے اپنے آپ کو دور رکھتے جن کے حکم کے بارے میں انھیں قرآن وحدیث یا اجماع یا کسی صحابی کی رائے کا پتہ نہ ہوتا۔

۴۔ فعلاً جو مسائل وقوع پذیر نہیں ہوتے وہ ان کے کرید میں نہیں پڑتے بلکہ وہ اس پر توقف کو ترجیح دیتے۔

## فقہی مدرسوں کا وجود میں آنا

عہد رسالت میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہادی اختلاف کا کوئی اثر نہیں تھا کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بیچ موجود تھے، نیز بالفاظ دیگر وہ ان کے لئے مرجع تھے، ان کی تصحیح اور ان کے لئے امر کو واضح بیان کر دیتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین ایک دوسرے دور میں داخل ہو گئے، اور وہ نت نئے پیدا ہونے والے مسائل اور قضایا وامور میں اجتہاد کرنے لگے، پھر مزید یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام دیگر شہروں اور ملکوں میں جا بسے، تو ان کے اجتہاد میں جسے وہ قرآن وسنت کے نصوص کی روشنی میں اخذ کرتے تھے تنوع اور اقسام پیدا ہو گئے، اور پھر اسی منہج اور طریق پر ان کے تلامذہ بھی چلے، اس طرح سے چار مشہور فقہی مذاہب پیدا ہو گئے، جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ حنفی مذہب ۲۔ مالکی مذہب ۳۔ شافعی مذہب ۴۔ حنبلی مذہب

# حنفی مذہب اور اس کی تاریخ

## حنفی مذہب کے مؤسس:

اس مذہب کے بانی امام النعمان بن ثابت بن زوطی التمیمی ہیں آپ کی کنیت ابو حنیفہ ہے اسی وجہ سے اس مذہب کا نام حنفی پڑا، آپ چاروں مشہور اماموں میں سے پہلے امام ہیں۔

## تاریخ ومقام پیدائش:

آپ کی ولادت تحقیق کے مطابق سن ۸۰ھ میں بلاد عربیہ سے کافی دور خراسان کے شہر نشا یا اس کے مضافات میں ہوئی، آپ فارسی الاصل تھے، اور بعض اقوال کے مطابق آپ کی ولادت عراق کی راجدھانی کوفہ میں ہوئی ہے، آپ کے والد ریشمی اور اونی کپڑوں کی تجارت کرتے تھے، اور آپ انھیں کے ساتھ خراسانی شہروں وقصبات میں گشت کرتے تھے، لگ بھگ ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں عراقی راجدھانی کوفہ میں نزول پذیر ہوئے۔

## تعلیم وتربیت:

آپ کی ابتدائی تعلیم آپ کے آبائی وطن نشا میں ہوئی، اور آپ وہیں بڑھے وپلے، اور تعلیم وتربیت میں کوشاں رہے، پھر جب آپ سن ۱۰۱ھ یا ۱۰۲ھ میں کوفہ تشریف لائے، اس وقت کوفہ میں حماد بن ابی سلیمان کے درس گاہ میں داخل ہو گئے، واضح رہے کہ وہ اہل الرای والقیاس کی درسگاہ تھی، اور وہیں آپ نے اپنی ذہانت وقابلیت کے جوہر دکھائے اور آپ اتنی شہرت پائے کہ آپ کے اس فقہی مدرسے کا نام ہی مدرسہ الرای پڑ گیا، آپ اپنے استاذ حماد بن ابی سلیمان سے تقریبا ۱۸ سال علمی تشنگی بجھاتے رہے، جب وہ ۱۲۰ھ میں وفات پاگئے تو آپ ہی ان کے اس مسند درس کے حقیقی وارث بنے، اور آپ کا علمی حلقہ مزید وسیع ہو گیا، اسی دوران آپ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو دیکھا، لیکن ان سے کوئی سماع ثابت نہیں ہے، اسی وجہ سے آپ کو اہل علم نے تابعی تسلیم نہیں کیا ہے بلکہ آپ تبع تابعین کے درجے میں ہیں۔

### آپ کے شیوخ:

۱-عطاء بن ابی رباح ۲-عامر الشعبی ۳-نافع مولی ابن عمر ۴-حماد بن ابی سلیمان

### آپ کے شاگرد:

۱-امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم الحارثی (قاضی القضاۃ ۱۱۳-۱۸۲) آپ ہی کے ذریعہ فقہ حنفی کے اصول کی تدوین ہوئی، اور مذہب حنفی کی نشر واشاعت ہوئی۔

۲- امام محمد بن حسن الشیبانی (۱۳۲-۱۸۹) امام ابو یوسف کے بعد آپ ہی عراق کے چوٹی کے فقیہ تھے، آپ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے آراء کو جمع کیا، اور اپنی تصنیفات سے حنفی مذہب کی تدوین کی، اور آپ کی مشہور کتاب ظاہر الروایہ ہے۔

۳-امام ابو ہذیل زفر بن ہذیل (۱۱۰-۱۵۸) آپ پر رائے اور قیاس کا بہت بڑا غلبہ تھا۔

۴-حسن بن زیاد اللؤلؤی (۲۰۴) آپ کو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی روایت بیان کرنے میں اور آپ کی رائے کے بیان کرنے میں بڑی شہرت حاصل ہوئی۔

۵-عبد اللہ بن مبارک ۶-حماد بن ابی حنیفہ

### حنفی مذہب کی بنیاد:

۱-القرآن الکریم ۲-السنہ النبویہ ۳-اجماع وقیاس ۴-قول صحابی، استحسان، عرف وغیرہ

### حنفی مذہب کی اہم کتابیں:

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اپنی کپڑے کی تجارت سے گذر بسر کرتے تھے، اور حصول رزق میں کافی وقت صرف کرتے تھے، اور آپ عہد اولین میں تھے ساتھ ہی ساتھ مساجد میں درس وتدریس میں کافی مشغول رہتے تھے، انہیں وجوہات کے پیش نظر آپ کی تالیف وتصنیف نہیں ملتی ہے، لیکن آپ کی طرف دو کتابوں کو منسوب کیا جاتا ہے ایک کتاب

جس کا نام الفقہ الاکبر ہے اور دوسری کتاب المسند ہے جو حدیث پر مشتمل ہے، اور جو کچھ بھی ہے وہ آپ کے شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی اور قاضی ابو یوسف کے جمع و تالیف ہیں، فقہ حنفی میں لکھی گئی چند کتابوں کی فہرست پیش ہے۔

۱-المبسوط للسرخسی (۴۸۳) ۲-مختصر الہدایہ للمرغینانی (۵۹۳)

۳- ردالمختار المعروف بحاشیۃ ابن عابدین (۱۲۵۲) یہ حصکفی کی کتاب شرح در مختار کا حاشیہ ہے۔

۴-۱۲۹۳ ہجری میں دولت عثمانیہ کے علماء کی ایک کمیٹی نے عدالتی احکام مذہب حنفی کے فقہ پر تیار کیا اور اسے عدالتی قانون کا درجہ دیکر اس پر عمل داری کو لازم قرار دے دیا، اور یہ حنفی قانون دولت عثمانیہ کے تمام زیر نگیں خطے پر نافذ کر دیا گیا، جس کے نتیجے میں سوریا، اردن، فلسطین اور لبنان میں حنفی مذہب قانونی شکل میں پروان چڑھا۔

## مذہب حنفی کا جغرافیائی خطہ:

دور عباسی میں حنفی مذہب نے بلاد شام کے کئی خطوں میں اپنا مقام حاصل کیا، اور اسی زمانے میں اسے سرکاری درجہ حاصل ہو گیا، اور یہ دولت عثمانیہ کے اخیر تک اسی حالت میں رہا، اور اسی فقہ کی تدریس کے لئے مدارس قائم کئے گئے، اور افتاء و قضاء کے مناصب استعمال کئے گئے۔

## وفات:

عباسی خلیفہ ابو جعفر المنصور نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو منصب قضاء قبول کرنے کا حکم دیا، لیکن آپ نے اس منصب کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جس کے نتیجہ میں آپ قید کر دیئے گئے، حتی کہ آپ کی موت بھی قید خانہ میں ہوئی، آپ کی تاریخ وفات سن ۱۵۰ھ ہے، بغداد کے خیزران قبرستان میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا، اور ۳۷۵ھ میں آپ کی قبر کے پاس بنام امام اعظم ایک جامع مسجد تعمیر کی گئی۔ (منازل الائمہ الاربعہ لابی زکریا یحیی بن ابراہیم السلماسی، صفحہ ۱۶۱، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۶/۳۹۰، تعریف عام بالعلوم الشرعیہ للدکتور محمد الرحیلی صفحہ ۱۲۳)۔

# مالکی مذہب اور اس کی تاریخ

## مالکی مذہب کے مؤسس:

امام دار الہجرہ، مالک بن انس بن مالک بن ابی عامر الحمیری الاصبحی المدنی، آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، اور یہ مذہب آپ کے نام سے منسوب ہے، آپ فقہ کے چاروں ائمہ میں سے دوسرے عظیم فقیہ ہیں، مسجد رسول ﷺ میں فتوی دینے کی وجہ سے آپ دار الہجرہ کے نام سے مشہور ہوئے ۔

## تاریخ و مقام پیدائش:

آپ کی ولادت باسعادت تیماء اور خیبر کے درمیان واقع ذی مروہ بستی میں سن ۹۷ھ میں ہوئی، اسی سال صحابی رسول انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی، اور آپ کی والدہ محترمہ کا نام عالیہ بنت شریک ہے جن کا تعلق ازدی قبیلہ سے تھا۔

## تعلیم و تربیت:

اساتذہ: آپ نے جن مشاہیر تابعین وغیرہم سے علمی فیض حاصل کیا ان کی ایک طویل فہرست ہے لیکن ان میں سے ترجیحی بنیاد پر چند کے اسماء یہاں ذکر کئے جارہے ہیں:

۱-نافع مولی ابن عمر ۲-ربیعہ بن عبدالرحمن (ربیعہ الرائ سے مشہور)

۳-عبدالرحمن بن ھرمز ۴-سعید المقبری

۵-محمد بن شہاب الزھری ۶-عبداللہ بن دینار

امام مالک رحمہ اللہ کے ذکر کردہ شیوخ علمائے جرح و تعدیل کی نظر میں ایک انوکھی شان رکھتے ہیں، اور امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی منہج تھا کہ آپ غالبا ثقہ سے روایت کرتے تھے۔

## آپ کے شاگرد:

آپ سے علمی تشنگی بجھانے والے شاگردوں کی ایک لمبی لسٹ ہے جن میں یہاں مشاہیر کے نام لکھے جارہے ہیں:

۱-عبدالرحمن بن عمروالاوزاعی ۲-شعبہ بن حجاج ۳-سفیان الثوری ۴-محمد بن ادریس الشافعی
۵-عبدالرحمن بن قاسم المصری

**مالکی مذہب کی بنیاد:**

۱-القرآن الکریم ۲-السنہ النبویہ ۳-اجماع وقیاس
۴-عمل اہل المدینہ، قول صحابی، استحسان، سدذرائع وغیرہ

**مالکی مذہب کی اہم کتابیں:**

۱-موطأ: حدیث وآثار وامام مالک رحمہ اللہ کی رائے پر مشتمل یہ کتاب خود امام مالک رحمہ اللہ نے جمع کیا ہے۔
۲-المدونہ: یہ کتاب امام مالک رحمہ اللہ کی فقہی رائے پر مشتمل ہے جسے آپ کے ایک شاگرد سحنون نے تدوین و ترتیب دی ہے۔
۳-بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد: اسے ابن رشد نے جمع کیا ہے۔

**مذہب مالکی کا جغرافیائی خطہ:**

اس مذہب کا وجود افریقی ملکوں میں اور اندلس، خلیج عربی اور شام کے بعض خطوں میں آج بھی ہے۔

**وفات:** آپ کی وفات سن ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ (منازل الائمہ الاربعہ لابی زکریا یحیی بن ابراہیم السلماسی، صفحہ ۱۳۸، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۴۸/۸، تعریف عام بالعلوم الشرعیہ للدکتور محمد الرحیلی صفحہ ۱۲۷ )

# شافعی مذہب اور اس کی تاریخ

## شافعی مذہب کے مؤسس:

شافعی مذہب کے مؤسس ابو عبداللہ محمد بن ادریس بن العباس الشافعی القرشی ہیں، چار اماموں میں سے تیسرے امام ہیں۔

## پیدائش و تعلیم و تربیت:

آپ کی ولادت فلسطین کے شہر غزہ میں سن ۱۵۰ھ میں اسی سال ہوئی جس سال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی وفات ہوئی، بچپن میں ہی آپ کے والد کی وفات ہو گئی، اور دو سال کے بعد آپ مکہ منتقل ہو گئے، اور وہیں آپ کی پرورش و پرداخت ہوئی، اور علمائے مکہ بالخصوص مسلم بن خالد الزنجی سے فقہ وعلوم قرآن سیکھا، پھر مکہ سے مدینہ کوچ کر گئے اور وہاں امام مالک رحمہ اللہ سے فقہ پڑھی اور موطا کا سماع کیا، اور حدیث وعلوم حدیث کا علم علمائے مدینہ سے بالخصوص امام سفیان بن عیینہ سے حاصل کیا، اور پھر مدینہ سے کوچ کر کے عراق تشریف لائے، اور وہاں دو سال قیام کیا، اور وہاں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نامور شاگرد امام محمد بن حسن الشیبانی سے فقہ الرائ کی تعلیم لی، اور کھل کر علمائے بغداد سے مناظرہ کیا، اور اپنی علمی لیاقت سے سب کو مغلوب کیا، پھر آپ وہاں سے مکہ واپس آ گئے اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا، اس کے بعد بغداد آ کر چند مہینے قیام کے بعد مصر چلے گے اور اپنی زندگی کے باقی ایام وہیں گذارے۔

## اساتذہ:

آپ نے جن مشاہیر ائمہ کرام سے علمی فیض حاصل کیا ان کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-سفیان بن عیینہ ۲-امام مالک بن انس ۳-محمد بن حسن الشیبانی ۴-وکیع بن الجراح

## آپ کے شاگرد:

۱-امام احمد بن حنبل ۲-یوسف بن یحیی ابو یعقوب البویطی

۳-اسماعیل بن یحیی المزنی ۴-الربیع بن سلیمان المرادی

۵-امام ابو ثور ابراہیم بن خالد الکلبی

## شافعی مذہب کی بنیاد:

۱-القرآن الکریم ۲-السنہ النبویہ ۳-اجماع ۴- قیاس

اور آپ کے نزدیک اقوال صحابہ دلیل نہیں کیونکہ وہ اجتہادات ہیں جن میں خطا کا احتمال ہے، اور ایسے ہی آپ استحسان، عمل اہل مدینہ اور مصالح مرسلہ کو قابل حجت نہیں سمجھتے ہیں، اور خبر آحاد کو دلیل اور ناقابل عمل تسلیم کرنے والوں کا رد کرتے ہیں، اسی وجہ سے اہل بغداد نے آپ کو ناصر السنۃ کا خطاب دیا۔

## شافعی مذہب کی اہم کتابیں:

۱-الرسالہ: اصول فقہ میں لکھی گئی امام شافعی رحمہ اللہ کی یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے اسے اپنی کتاب الام کے مقدمہ کے طور پر املا کروایا تھا۔

۲-الام: یہ امام شافعی کے فقہی آراء پر مشتمل کتاب ہے جسے امام نے مصر میں اپنی زندگی کے آخری سالوں میں اپنے شاگردوں کو املا کروایا تھا، اور یہ کتاب آپ کے آراء واجتہاد کی آخری پہچان ہے، اور اسی سے آپ کے مذہب کی تحدید کی جاتی ہے۔

۳-اختلاف العلم، جماع العلم، ابطال الاحسان، احکام القرآن، دیوان الامام الشافعی یہ ساری کتابیں امام شافعی رحمہ اللہ کی ہیں اور سب مطبوع ہیں۔

۴-مختصر المزنی ۵-روضۃ الطالبین ومنہاج الطالبین للنووی

## مذہب مالکی کا جغرافیائی خطہ:

تیسری صدی ہجری سے شافعی مسلک بلاد شام میں پروان چڑھنے لگا، اور امام اوزاعی کے مذہب سے مزاحمت شروع ہو گئی، اور پھر مذہب حنفی سے مسلسل منافست ومزاحمت ہوتی رہی، اور اس میں مزید تیزی اس وقت آئی جب مصر کے

کچھ علماء بلاد شام میں سکونت پذیر ہوئے، اور وہاں شافعی مذہب کے خاص مدارس اور اوقاف قائم ہوئے، اور شام میں شافعی مذہب کے بڑے بڑے علماء نمودار ہوئے، جیسے ابن سبکی، ابن ابی عصرون، ابن الفرکاح، ابن ابی الدم، اور بڑی جلا اس وقت حاصل ہوئی جب امام نووی جیسے کثیر التالیف نے اس کی بڑی خدمت کی۔

**وفات:**

آپ کی وفات مصر میں سن ۲۰۴ھ میں ہوئی۔ (منازل الائمہ الاربعہ لابی زکریا یحیی بن ابراہیم السلماسی، صفحہ ۱۹۸، سیر اعلام النبلاء للذہبی ۸/۲۳۶، تعریف عام بالعلوم الشرعیہ للدکتور محمد الرحیلی صفحہ ۱۲۹ )

# حنبلی مذہب اور اس کی تاریخ

## حنبلی مذہب کے موسس:

حنبلی مسلک کے بانی و موسس ابو عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل الشیبانی ہیں، اور مشہور چاروں اماموں میں سے چوتھے امام ہیں۔

## پیدائش و تعلیم و تربیت:

آپ کی ولادت سن ۱۶۴ھ میں بغداد میں ہوئی، اور وہیں یتیمی میں پرورش پائے، پندرہ سال کی عمر میں وافر مقدار میں علم حاصل کیا، اور حصول علم کی خاطر کئی شہروں کا سفر کیا، اور جس وقت امام شافعی رحمہ اللہ بغداد تشریف لائے تو آپ نے ان سے فقہ کی تعلیم حاصل کی، اور آپ ایک مستقل مجتہد بن گئے، اور احادیث کے حفظ و جمع کا خوب اہتمام کیا یہاں تک کہ اپنے زمانے کے محدثین کے امام قرار پائے۔

## فتنہ خلق قرآن اور آپ کی آزمائش:

عباسی خلفاء کے عہد میں آپ کی زندگی بڑی آزمائشوں سے دوچار ہوئی، اور خاص طور سے قرآن کے مخلوق یا غیر مخلوق قرار دینے کا مسئلہ تھا، سن ۲۱۸ھ میں خلیفہ مامون کے عہد کے اواخر میں یہ فتنہ رونما ہوا جب مامون فرقہ معتزلہ کے افکار و خیالات سے متاثر ہو گیا، اور فقہاء و محدثین کو اپنی اس رائے پر مجبور کرنے لگا، لہذا جو اس عقیدہ کو قبول کر لیتا یا اس پر سکوت اختیار کر لیتا تو اسے نظر انداز کر دیتا، اور جو اس کا معارضہ کرتا اسے قید و بند کی صعوبتیں جھیلنی پڑتیں، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اس بدعت کے سامنے چٹان بن کر کھڑے ہوئے، اور سخت معارضہ کیا جس کے نتیجہ میں انھیں کئی بار پس زنداں ڈالا گیا، اور بڑی خوش اسلوبی سے ان صعوبتوں کو سلام کہا، اور اس فتنہ کے سامنے بر سر پیکار، اور سخت موقف اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کو امام السنہ یا امام اہل السنہ کا خطاب دیا گیا، اور یہ فتنہ (۲۳۲ھ) خلیفہ متوکل کے عہد تک قائم تھا، اسی نے اسے نیست و نابود کیا، امام احمد رحمہ اللہ نے اس فتنہ میں پہاڑ جیسے صبر کا مظاہرہ کیا یہاں تک اس عہد کے بعض علماء نے فرمایا: جب آپ کو کوئی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے محبت کرنے والا نظر آئے تو یہ سمجھ

لینا کہ وہ اہل سنہ میں سے ہے۔

**اساتذہ:** آپ نے جن مشائخ سے علمی فیض حاصل کیا ان کی تعداد ۲۸۰ سے زیادہ ہے لیکن ان میں چند مشاہیر کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

۱-سفیان بن عیینہ ۲-وکیع بن الجراح ۳-یحیی بن سعید القطان ۴-عبدالرحمن بن مہدی

۵-امام محمد بن ادریس الشافعی

## آپ کے شاگرد:

آپ کے منبع علم و معرفت سے علمی تشنگی بجھانے والے شاگردوں کی ایک لمبی فہرست ہے، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے فخر کے لئے صرف اتنا ہی کافی ہے کہ آپ سے کتب ستہ کے اماموں میں سے تین بڑے اماموں نے علم حدیث حاصل کر کے اپنی کتابوں میں روایت کی ہے، چند ایک کا نام یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

۱-امام محمد بن اسماعیل البخاری (صحیح بخاری میں آپ سے ایک حدیث مروی ہے)

۲-امام مسلم بن حجاج القشیری ۳- امام ابوداود سلیمان بن اشعث السجستانی

۴-عبداللہ وصالح (آپ کے دونوں فرزند) ۵-ابو بکر المروزی

۶-ابو بکر الاثرم

## حنبلی مذہب کی بنیاد:

۱-القرآن الکریم ۲-السنہ النبویہ ۳-اجماع ۴-قیاس

۵-قول صحابی، استحسان، سدذرائع مصالح مرسلہ وغیرہ

## حنبلی مذہب کی اہم کتابیں:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فقہ میں کوئی کتاب تالیف نہیں فرمائی، بلکہ آپ کے شاگردوں نے آپ کے اقوال اور آپ کے جوابات سے آپ کا مذہب اخذ کیا ہے، آپ کی اور آپ کے مذہب پر جمع کی ہوئی چند تالیفات درج کی جارہی

ہیں۔

۱-المسند لامام احمد بن حنبل (یہ تقریباچالیس ہزار (۴۰۰۰۰) احادیث پر مشتمل ہے)

۲-اصول السنہ، العلل، کتاب العقیدہ، الرد علی الجہمیۃ والزنادقہ، کتاب الزہد، فضائل الصحابۃ، اس کے علاوہ بھی امام احمد رحمہ اللہ کی کئی کتابیں ہیں۔

۳- مختصر الخرقی، فقہ حنبلی کی یہ اہم ترین کتاب ہے جس کی شرح علامہ موفق الدین ابن قدامہ نے المغنی کے نام سے کیاہے۔ ۴-کشاف القناع للبہوتی ۵-المحرر فی الفقہ لعبد السلام ابن تیمیہ ۶-المقنع لابن قدامہ ۷-الروض المربع للحجاوی ۸-الفروع لابن مفلح ۹-الانصاف للمرداوی

## مذہب حنبلی کا جغرافیائی خطہ:

حنبلی مذہب کی نشر واشاعت سوریا کے بعض بستیوں میں ہوئی، اور یہ دمشق کے صالحیہ میں دور قدیم میں بڑی تیزی سے پروان چڑھا، اور دیکھتے دیکھتے قدس شریف، اور فلسطین کے بہت سارے گاوں میں پھیل گیا۔

## وفات:

آپ کی وفات بغداد میں سن ۲۴۱ھ میں ہوئی اور وہیں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی ۱۱/۱۷۷، تعریف عام بالعلوم الشرعیہ للدکتور محمد الرحیلی صفحہ ۱۳۴ )

## ائمہ اربعہ کا مختصر سوانحی خاکہ

| نمبر شمار | مذہب کا نام | ائمہ کا نام | تاریخ پیدائش | تاریخ وفات |
|---|---|---|---|---|
| ۱ | حنفی مذہب | ابو حنیفہ نعمان بن ثابت | ۸۰ھ/۶۹۹م | ۱۵۰ھ/۷۶۷م |
| ۲ | مالکی مذہب | مالک بن انس | ۹۳ھ/۷۱۵م | ۱۷۹ھ/۷۹۶م |
| ۳ | شافعی مذہب | محمد بن ادریس شافعی | ۱۵۰ھ/۷۶۶م | ۲۰۴ھ/۸۲۰م |
| ۴ | حنبلی مذہب | احمد بن حنبل | ۱۶۴ھ/۷۸۰م | ۲۴۱ھ/۸۵۵م |

## تقلید کی حقیقت

**تقلید کی لغوی تعریف:** عربی لغت میں تقلید کسی کی گردن میں طوق یا رسی ڈالنے کو کہتے ہیں ،علامہ شوکانی رحمہ اللہ ارشاد الفحول صفحہ نمبر (۴۴۱) میں فرماتے ہیں: «أما التقليد فاصله في اللغة مأخوذة من القلادة التي يقلد غيره بها، ومنه تقليد الهدي ،فكان المقلد جعل ذالك الحكم الذي قلدفيه المجتهد كالقلادةفی عنق من قلده ». ''تقلید لغت میں گلے میں ڈالے جانے والے پٹے سے ماخوذ ہے،اور حج کی قربانی کے لئے متعین شدہ جانور کے گلے میں طوق ڈالنا بھی اسی سے ہے، تقلید کو بھی اسی لئے تقلید کہتے ہیں کیونکہ اس میں مقلد جس حکم میں مجتہد کی تقلید کرتا ہے وہ حکم اپنے گلے میں طوق کی طرح ڈالتا ہے''۔

**تقلید کی شرعی تعریف:** ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''شرح قصیدہ امالیہ ''میں رقم طراز ہیں:

«والتقليد قبول قول الغير بلا دليل ، فكانه لقبوله جعله قلادةفی عنقه ». ''تقلید کسی کے قول یا فتوی کو بغیر دلیل اور ثبوت کے قبول کرنا ہے، گویا کہ اس مقلد نے اپنے امام کے قول کو قبول کر لینے کی وجہ سے اسے اپنے گلے کا پٹہ بنالیا''۔(شرح قصیدہ امالیہ، ص(۳۴)، مسلم الثبوت، ص(۲۲۴)،تفسير قرطبي (۲/ ۲۱۱).

اس تعریف کے علاوہ علماء نے مختلف پیرائے سے اس کی تعریف تحریر فرمائی ہے، طوالت کے ڈر سے ایک ہی تعریف پر اکتفا کیا گیا ہے، ساری تعریفات کو سامنے رکھ کر اس کا خلاصہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ آپ اس سلسلے میں مکمل واقفیت حاصل کر سکیں۔

**تقلید کی تعریف کا خلاصہ:**

تمام تعریفات سے معلوم ہوا کہ تقلید کسی امام مجتہد یا فقیہ کی ایسی بات کو ماننے سے عبارت ہے جس پر کتاب و سنت کی کوئی دلیل نہ ہو سوائے اس کی رائے کے، لہذا اس کے مد نظر گویا انسان اپنے آپ کو عمداً جاہل بنا کر اپنی گردن میں اس کی تقلید کا طوق ڈال لے، اور پھر اس طوق کو دوسرے کے ہاتھ میں بایں طور تھمادے کہ میں آپ کی ہر غلط و صحیح بات کا پابند ہوں، اور اس کے مقابلے میں قرآن و حدیث میں تاویلیں کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار رہوں گا۔

## تقلید کی ابتدا

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إعلم ان الناس كانوا قبل المائة الرابعة غير مجمعين على التقليد الخالص لمذهب واحد ». ''معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ کسی خالص ایک مذہب پر متفق نہ تھے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ، ج1، ص(152)۔

علامہ ابن القیم الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: «إنما حدثت هذه البدعة في القرن الرابع المذمومة على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم ». ''یہ تقلید کی بدعت چوتھی صدی میں جاری ہوئی، یہ وہ زمانہ ہے کہ جس کی مذمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہو چکی ہے''۔ (اعلام الموقعین، ج2، ص(185)۔

## تقلید کے اسباب

تقلید کے بہت سارے اسباب ووجوہات اہل علم نے بیان کیا ہے،اوراس کی ترقی کے ادوار بھی بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے،اور مذہبی دفاع میں تیار کردہ خودساختہ قواعد کو بھی بیان کیا ہے جس کے سہارے حدیث کورد کرنے میں انہیں مدد ملتی ہے، تقلید کے اسباب کے بارے میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تقلید کی اہم وجہ فقہاء کا آپس میں تزاحم ہے،اوران کا باہم جھگڑنا ہے، چنانچہ جب فتوی دینے میں مقابلہ آرائی ہونے لگی، اور جب کوئی فتوی دیتاتواس پراعتراض کیاجاتااوراسے رد کردیاجاتا،اوررجوع کرنے کے بجائے متقدمین میں سے کسی کی صراحت پراس مسئلہ کی بحث جاکررک جاتی،اوروہی اس مسئلہ میں ان کااصل قرار پاتااس طرح تقلید پنپتی رہی۔

دوسری ایک وجہ یہ تھی کہ قاضی لوگوں کو تقلید کا حکم دیتا،کیونکہ جب اکثروبیشتر قاضیوں نے ظلم کیااورامانت داری سے کام نہ لیاتوان کاوہ حکم عام لوگوں میں مقبول ہوتاجن پرعوام کوشک نہ ہوتا،اوراس قبیل سے کچھ باتیں پہلے بھی کہی جاچکی ہوتیں۔

ایک تیسری بڑی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ جاہل لوگ سردار بنے،اورلوگوں نے ایسے بے علم لوگوں سے مسائل دریافت کئے جن کوحدیث اور تخریج حدیث کاعلم نہ تھا، جس کامشاہدہ آپ متاخرین میں خودکررہے ہیں،اور غیر مجتہد فقیہ کے نام سے موسوم ہوگئے،اوراسی وقت یہ لوگ تعصب پرجم گئے۔(حجۃ اللہ البالغہ،ج1،ص(153)۔

## تقلید کی شرعی حیثیت

مروجہ تقلیداوراس کے گوناگوں نقصانات کے پیش نظر،اوراہل علم کے عادلانہ ومنصفانہ وضاحت کوسامنے رکھتے ہوئے قرآن وحدیث کی روشنی میں یہ بات بلاتردد کہی جاسکتی ہے کہ تقلید بدعت ومطلقا حرام ہے،عالم ہویاامی(ان پڑھ)ہو،کسی کے لئے بھی تقلید جائز نہیں،اوراس سے بچناواجب اور ضروری ہے،کیونکہ اللہ تعالی نے پوری امت کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کاپابند کیاہے،اور یہ تیسری صدی ہجری کے بعد معرض وجود میں آنے والی انتہائی قبیح

بدعت ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور تبع تابعین رحمہم اللہ کی نیک ہستیاں تقلید کی غلاظت سے پاک تھیں ،حالانکہ ان ادوار میں بھی ان پڑھ عوام بھی تھے،اور ہر شخص مجتہد بھی نہ تھا۔

اسلامی نقطہ نظر سے اگر تقلید واجب یا ضروری ہوتی تو اللہ رب العزت چوتھی صدی ہجری کے تقلید کو ضروری قرار دیتا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کار خیر سے امت کے لئے خاموشی اختیار نہ کرتے بلکہ ارشاد فرماتے کہ بعد میں آنے والے لوگ علماء کی تقلید کریں۔

توجو لوگ تقلید کو واجب یا فرض سمجھتے ہیں یا تو وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا جان بوجھ کر معصوم عوام کو مغالطہ دینے کی قابل مذمت کوشش کررہے ہیں،اور ان کے دلوں میں نفرت بدعت کی جگہ حب بدعت پیدا ہوگئی ہے، اور ان کے دل تقلید کی بدعت کے اسیر بن چکے ہیں، بھلا وہ چیز کیسے فرض یا واجب ہوسکتی ہے جس کا استعمال انسانوں کے لئے قرآن و حدیث نے توہین انسانیت قرار دیا ہے۔

## تقلید کے چند اہم نقصانات

تقلید کے دینی و اخلاقی و سماجی ہر اعتبار سے بڑے بڑے نقصانات ہیں، اور اس کے نتائج انتہائی خطرناک اور ہلاکت خیز ہیں جس کا اندازہ آپ آنے والے درج ذیل سطور سے بخوبی لگا سکتے ہیں:

۱- تقلید کا ایک نقصان یہ ہے کہ تقلید کرنے والا اپنی عقل کو استعمال کرنے کے بجائے اپنے مذہب پر اندھوں کی طرح عمل کرتا ہے،اور اپنے امام کے مقلدین کی تقلید کرتا ہے،اور ان کے اقوال و فتاوی کو بنیاد بنا کر فتوی دیتا ہے، یہ طرز عمل نہ صرف عقل کے منافی ہے بلکہ حق و باطل کی پہچان کے لئے اللہ نے انسان کو جس عقل کی نعمت سے نوازا ہے اس نعمت سے انکار ہے۔

۲- تقلید کا ایک نقصان یہ ہے کہ تقلید کرنے والا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے محروم ہوجاتا ہے،اور یہ ایک عجیب سی بات ہے کہ مقلد شریعت کے حکم پر عمل کرتے وقت اس کو اپنے امام کی تابعداری مقصود ہوتی ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری، یہی وجہ ہے کہ جب صحیح حدیث اس کے سامنے پیش کی جاتی ہے جو اس کے امام کے قول کے

مخالف ہوتی ہے تو اس کے جذبات میں طلاطم آجاتا ہے، اور مذہب کی محبت میں غرق ہو کر جذبات کی لے میں بہہ جاتا ہے اور نہ صرف حدیث رسول ﷺ پر عمل کرنے سے محروم ہو جاتا ہے بلکہ اس کی تحقیر یا انکار کا مرتکب بھی بن بیٹھتا ہے۔

۳- تقلید کا ایک نقصان یہ ہے کہ انسان دین میں تحریف کا مرتکب ہو جاتا ہے، کیونکہ مقلد اپنے مذہب کی برتری کے لئے قرآن وحدیث میں تحریف کر بیٹھتا ہے اور اس کی بہت ساری مثالیں ردود کی کتابوں میں موجود ہیں۔

۴- تقلید کی وجہ سے انسان دانستہ طور پر حق سے انحراف کرتا ہے، حالانکہ اسے اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وہ ناحق اور باطل پر ہے، پھر بھی تقلید کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنے باطل ومرجوح مذہب پر اصرار کرتا ہے، اس پر بھی مثالوں کی کمی نہیں، ایک مثال اس حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے پیش کرنے کی جرات کی جارہی ہے:

شیخ الہند کے لقب سے ملقب شیخ محمود الحسن حنفی دیوبندی اپنی کتاب تقریر ترمذی، صفحہ نمبر (۳۶) میں فرماتے ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ خیار مجلس کا مسئلہ اہم مسائل میں سے ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ (جو کہ اس کے قائل نہیں ہیں) نے اس بارے میں جمہور کی مخالفت کی ہے، اور متقدمین ومتاخرین کے اکثر علماء نے امام کی تردید کی ہے، اور امام شافعی کے مذہب کو ترجیح دی ہے، کیونکہ اس مسئلہ میں امام شافعی کا موقف احادیث ونصوص کی رو سے مدلل ہے، ہمارے شیخ بھی امام شافعی کے مذہب کو راجح قرار دیتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کی حق وانصاف کا تقاضا یہ ہے کہ خیار مجلس میں امام شافعی کے مذہب کو ترجیح دی جائے، (شیخ الہند کہتے ہیں) لیکن چونکہ ہم مقلدین ہیں اس لئے ہم پر اپنے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے۔

یہیں سے مقلدین کے اس دعوی کی پول بھی کھل گئی جو کہتے ہیں کہ امام صاحب وغیرہ نبی اکرم ﷺ کی تابعداری کے لئے محض ایک واسطہ ہیں، یعنی ان کی تابعداری سے نبی اکرم ﷺ کی اتباع مقصود ہے کیونکہ جب صحیح حدیث مل گئی تو گویا مقصود مل گیا، اس کے باوجود واسطے کیوں نہیں چھوڑتے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کی تقلید سے اصل مقصود نبی اکرم ﷺ کی اتباع نہیں ہے بلکہ اصل مقصود امام صاحب کی تقلید ہی ہے ورنہ یہ کبھی بھی

راجح اور قوی دلائل کی موجودگی میں مرجوح اور ضعیف بلکہ غلط دلائل سے استدلال نہ کرتے، یہ کتنی جرات اور بد نصیبی کی بات ہے کہ حق تو یہ ہے لیکن چونکہ ہم مقلدین ہیں لہذا ہم اس کے ماننے کے مکلف نہیں ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تقلید کی شاہراہ کے پر خطر نشیب و فراز پر چلتے ہوئے گمراہی کی گہری کھائی میں اتر جائیں۔

۵- تقلید کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ مسلمان شریعت کی عطا کردہ رخصتوں اور وسعتوں سے محروم ہو جاتا ہے، اور تنگی کا شکار ہو جاتا ہے، اس کی مثال مقلدین احباب کا حالت سفر میں دو نمازوں کو جمع کرنے کی رخصت کا انکار ہے جب کہ شریعت نے اسے جائز ٹھہرایا ہے، بعینہ اسی طرح ان کا نماز وتر کی تین رکعت پر اصرار کرنا بھی ہے جب کہ شریعت نے اس میں ایک، تین، پانچ، سات اور نو رکعت تک پڑھنے کی وسعت رکھی ہے۔

۶- تقلید کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ احادیث نبویہ فقہ کے تحت مستعمل ہیں، چنانچہ جو حدیث فقہاء کے بنائے ہوئے قواعد پر منطبق ہو تو وہ قابل عمل ہوتی ہے، اور اس سے دلیل کا فائدہ حاصل کیا جاتا ہے، لیکن اگر وہ فقہی ضابطہ سے میل نہ کھائے تو اس کی ایسی تاویلیں کی جاتی ہیں جس سے اس کو بے معنی بنا دیا جاتا ہے، یا عدم عمل کا جواز پیش کر دیا جاتا ہے۔

۷- تقلید کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ اس سے لوگوں میں بغض و عناد عام ہوتی ہے، کیونکہ تقلید نام ہی عداوت و ہٹ دھرمی کا ہے، اور حال یہ ہے کہ قرآن و حدیث کو مکمل تسلیم کرنے والوں اور اس پر اکتفا کرنے والوں کو نفرت و حقارت کی نگاہوں سے دیکھا جاتا ہے، اور اس کی حقیقی مثال آپ کے سامنے ہے کہ آج تک احناف و شوافع کے باہمی تعصبات آپس میں آگ اور پانی کی مانند ہیں، حالانکہ ان کا تو اقرار ہے کہ چاروں مذاہب برحق ہیں، تو پھر یہ عداوت کیوں؟۔

۸- تقلید کا ایک بڑا نقصان یہ بھی ہے کہ یہ آدمی کو نہ صرف بدعتی بنا دیتی ہے بلکہ اس کے بدعتی ہونے کا احساس بھی مٹا دیتی ہے، تقلید بذات خود ایک بدعت قبیحہ ہے جو امت مسلمہ کے لئے ناسور کی حیثیت رکھتی ہے، اور اس سے ہمیشہ

شریعت اسلامیہ کا مجلی و مصفی آئینہ گرد آلود ہوتا رہا ہے، علامہ شاہ اسماعیل رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ایضاح الحق صفحہ نمبر (۸۱) میں تقلید کو بدعت حقیقی قرار دیا ہے۔

## اتباع رسول کے فوائد

اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم روز اول سے تمام لوگوں کو اللہ کی اطاعت اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کا حکم دیتا ہے، اور اس سے اعراض کرنے والوں کو سخت عذاب کا مستحق ٹھہراتا ہے، اور ساتھ ہی اللہ کی اطاعت اور نبی اکرم ﷺ کی اتباع کرنے کے فوائد اور گوناگوں سعادتیں بیان کرتا ہے، درج ذیل سطور میں چند اہم فوائد حوالہ قرطاس کئے جارہے ہیں:

۱- نبی اکرم ﷺ کی اتباع سے حاصل ہونے والا سب سے پہلا فائدہ حصول ہدایت ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُوا﴾ (النور: ٥٤)" اور اگر میرے نبی کی اتباع کروگے تو ہدایت پاجاؤگے"۔

۲- ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کی محبت اور مغفرت نبی اکرم ﷺ کی اتباع میں مضمر ہے، جیسا کہ اللہ اپنے نبی کو مخاطب کرکے فرماتا ہے: "اپنی امت سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ کی محبت کے حصول کے طلب گار ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ نہ صرف تم سے محبت کرے گا بلکہ تمہارے سابقہ گناہوں کو بھی در گذر فرمادے گا "۔

۳- اللہ تعالی نے اپنی اطاعت کو نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر منحصر کیا ہے، فرمایا: ﴿مَّن يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ (النساء: ۷۹)" رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والا ہی حقیقی معنوں میں اللہ کا مطیع وفرمانبردار ہے"۔

۴- اللہ تعالی نے ایمان کو نبی اکرم ﷺ کی اتباع پر موقوف کیا ہے، ارشاد فرمایا: ﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴾ (النساء: ٦٥) " تیرے رب برحق کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک یہ

اپنی تمام باہمی معاملات و تنازعات میں تمہیں حاکم نہ مانیں، اور پھر آپ کے دیئے ہوئے فیصلے پر سر تسلیم خم نہ کردیں"۔

۵-آپ ﷺ کی تابعداری ہی جنت میں داخلے کا اہم سبب ہے جیسا کہ آپ ﷺ فرماتے ہیں: « مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الجَنَّةَ » "جس نے میری اتباع کی وہ جنت میں جائے گا" (بخاري:۷۲۸۰)۔

## فقہ اسلامی کے شرعی اصول وضوابط

☆یقین شک کی بنیاد پر زائل نہیں ہوگا۔☆ہر چیز میں طہارت اصل ہے سوائے ان چیزوں کے جن کے نجس ہونے پر شرعی دلیل موجود ہے۔☆اصل برأت الذمہ ہے،الا یہ کہ شرعی دلیل اس کے خلاف موجود ہو۔☆اصل اباحت ہے الا یہ کہ حرمت یا نجاست پر کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔☆مشقت آسانی پیدا کرتی ہے۔☆ضرورتیں ممنوعہ چیزوں کو جائز کرتی ہیں☆قدرے ضرورت ضرورت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔☆اگر آدمی کسی کام کی طاقت نہیں رکھتا تو اس پر وہ کام واجب نہیں۔☆اشد ضرورت کے وقت حرام چیز استعمال کرنا بھی جائز ہے۔☆مفاسد کو دفع کرنا مصالح کے لانے پر مقدم ہے۔☆اور جب دو مصالح جمع ہو جائیں تو ان میں جو اعلی ہو اسے لیا جائے۔☆ جب دو مفاسد جمع ہو جائیں تو جس میں کم نقصان ہو اسے اختیار کیا جائے گا۔☆ نفی اور اثبات میں علت حکم کا اعتبار ہوتا ہے۔☆واجبات صرف مکلف (بالغ) لوگوں پر لازم ہیں۔☆ اتلافات مکلف اور غیر مکلف سب پر واجب ہیں۔☆عبادات میں اصل ممانعت ہے سوائے ان عبادات کے جن پر شرعی دلیل موجود ہے۔☆اور معاملات میں اصل اباحت ہے،الا یہ کہ اس کی حرمت پر شرعی دلیل موجود ہو۔☆اور عادات و معاملات میں اصل اباحت ہے سوائے ان عادات و معاملات کے جن کی حرمت پر شرعی دلیل موجود ہو۔☆شرعی اوامر میں اصل وجوب ہے،الا یہ کہ مستحب یا اباحت پر شرعی دلیل موجود ہو۔☆نواہی میں اصل تحریم ہے الا یہ کہ مکروہ ہونے پر کوئی شرعی دلیل موجود ہو۔☆منافع میں اصل حلت ہے۔☆اور نقصان دہ چیزوں میں اصل حرمت ہے۔

# اسلام کی تعریف

اسلام کا لغوی معنی: (۱) خود سپردگی اور مطیع و منقاد کے ہیں، اور اسی معنی میں اللہ کا یہ فرمان ہے :

﴿ أَفَغَيْرَ دِينِ ٱللَّهِ يَبْغُونَ وَلَهُۥٓ أَسْلَمَ مَن فِى ٱلسَّمَـٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ طَوْعًا وَكَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴾ (آل عمران: ٨٣) " کیا وہ اللہ کے دین کے سوا کسی اور دین کی تلاش میں ہیں ، ؟ حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرمانبردار ہیں، خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے، سب اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے"۔

(۲) تمام عبادتوں کو اللہ کے لئے خالص کرنا، اور اسی معنی میں ہے اللہ کا یہ قول: ﴿ وَمَن يُسْلِمْ وَجْهَهُۥٓ إِلَى ٱللَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ ﴾ (لقمان: ٢٢)۔" اور جو شخص اپنے چہرے کو اللہ کی طرف متوجہ کردے اور ہو بھی وہ نیکوکار، یقیناً اس نے مضبوط کڑا تھام لیا"۔

واضح رہے کہ اسلام اپنے انہی دونوں معانی (خود سپردگی اور تمام عبادتوں کو اللہ کے لئے خالص کرنا) کے ساتھ اللہ کا وہ دین ہے جسے لیکر اللہ کے تمام انبیاء کرام مخلوق کی طرف مبعوث ہوئے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَـٰمُ ﴾ (آل عمران: ١٩)۔" بیشک اللہ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے"۔

## اسلام کی شرعی تعریف

اسلام کا شرعی معنی ہے اللہ تعالی کے حکم کی مکمل تابعداری کرنا، اور اس کے منع کردہ کاموں سے مکمل اجتناب کرنا۔

## اسلام اور ایمان کے درمیان ترابط

ایمان کا لغوی و شرعی معنی: لغوی معنی تصدیق کرنا ہے، اور اس کا شرعی معنی اللہ پر، تمام فرشتوں پر، جملہ آسمانی کتابوں پر، تمام رسولوں پر، آخرت کے دن پر، اور بھلی اور بری تقدیر پر ایمان لانا ہے۔

درج بالا تعریف سے معلوم ہوا کہ ایمان اور اسلام دو مختلف چیزیں ہیں اس لئے کہ اسلام ظاہری بجاآوری کا نام ہے اور ایمان باطنی تصدیق کا نام ہے، حالانکہ یہ دونوں آپس میں متلازم ہیں، چنانچہ ایمان کے بغیر اسلام کا کوئی شرعی اعتبار نہیں، اور نہ ہی اسلام کے بغیر ایمان کا کوئی شرعی اعتبار ہوگا، بغیر ایمان کے اسلام کا وجود - جیسا کہ منافقین میں ہے- شرعی طور پر معتبر نہیں اور نہ ہی وہ ایسا اعتقاد رکھنے والے کو جہنم سے نجات دلا سکتا ہے۔

قرآن کریم اور سنت مطہرہ میں ان دونوں الفاظ (اسلام و ایمان) کے استعمال پر غور و فکر کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ جب یہ دونوں ایک ساتھ ایک ہی نص میں آئیں تو دونوں کا الگ الگ مطلب ہوگا اور جب دونوں الگ الگ آئیں تو ہر ایک میں دونوں کا مطلب بیک وقت ہوگا۔

اسلام اور ایمان دونوں کا ایک ہی نص میں جمع ہونے کی مثال اور اس کا الگ الگ مطلب:

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ إِنَّ ٱلْمُسْلِمِينَ وَٱلْمُسْلِمَٰتِ وَٱلْمُؤْمِنِينَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتِ ﴾ (الاحزاب: ٣٥)۔

" بیشک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں"۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ قَالَتِ ٱلْأَعْرَابُ ءَامَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا۟ وَلَٰكِن قُولُوٓا۟ أَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ ٱلْإِيمَٰنُ فِى قُلُوبِكُمْ ۖ ﴾ (الحجرات: ١٤)۔

" دیہاتی لوگ کہتے ہیں ہم ایمان لائے، آپ کہہ دیجئے کہ (حقیقت میں) تم ایمان نہیں لائے لیکن تم یوں کہو کہ ہم اسلام لائے، حالانکہ ابھی تک تمہارے دلوں میں ایمان داخل ہی نہیں ہوا"۔

جب اسلام کا لفظ تنہا آئے تو وہ ایمان کے معنی کو بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی مثال:

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ قُلۡ إِنِّيٓ أُمِرۡتُ أَنۡ أَكُونَ أَوَّلَ مَنۡ أَسۡلَمَۖ ﴾ (الانعام: ١٤)۔" آپ فرمادیجئے کہ مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے میں اسلام قبول کروں"۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ فَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يَهۡدِيَهُۥ يَشۡرَحۡ صَدۡرَهُۥ لِلۡإِسۡلَٰمِۖ ﴾ (الانعام: ١٢٥)" سو جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتا ہے"۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: « الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ» " مسلمان وہ ہے کہ جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان سالم و محفوظ ہوں " (مسلم:٤١)۔

قرآن کریم کی مذکورہ دونوں آیتوں اور ایک حدیث میں لفظ اسلام ایمان کے معنی کو بھی شامل ہے۔

جب ایمان کا لفظ تنہا آئے تو وہ اسلام کے معنی کو بھی شامل ہوتا ہے اور اس کی مثال:

اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ رَّبَّنَآ إِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيٗا يُنَادِي لِلۡإِيمَٰنِ أَنۡ ءَامِنُواْ بِرَبِّكُمۡ فَـَٔامَنَّاۚ ﴾ (آل عمران: ١٩٣)۔" اے ہمارے رب! ہم نے سنا کہ ایک منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو! اپنے رب پر ایمان لاؤ، پس ہم ایمان لائے"۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ ٱللَّهُ وَلِيُّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ يُخۡرِجُهُم مِّنَ ٱلظُّلُمَٰتِ إِلَى ٱلنُّورِۖ ﴾ (البقرة: ٢٥٧)"ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے، وہ انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لے جاتا ہے"۔

ایک حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: « الْمُؤْمِنُ الْقَوِيُّ، خَيْرٌ وَأَحَبُّ إِلَى اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِ الضَّعِيفِ» (مسلم:٢٦٦٤)۔" طاقت و قوت والا مومن اللہ کے نزدیک کمزور مومن سے بہتر اور محبوب ہے "

بیان کردہ قرآنی آیات اور حدیث نبوی میں لفظ ایمان اسلام کے معنی کو شامل ہے۔

# ارکان اسلام

اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ہیں:

(۱)توحید ورسالت کی گواہی (۲)نماز قائم کرنا (۳)زکاۃ کی ادائیگی (۴)ماہ رمضان کا روزہ (۵)حج بیت اللہ

## اسلام کا پہلا رکن

## کلمہ شہادت یعنی توحید ورسالت کا اقرار

### توحید کے اقرار کا مطلب:

انسان اس بات پر یقین واعتقاد رکھے کہ اللہ ایک ہے، تنہا وہی رب، تمام تصرف کرنے والا، وہی خالق ورازق ہے، اس کے اسمائے حسنی اور صفات علی ہیں جنہیں اس نے اپنی ذات کے لئے ثابت کیا ہے، اور نبی مکرم ﷺ نے بھی اسے اللہ وحدہ لاشریک لہ کے لئے ثابت کیا ہے، اور اس بات پر بھی اعتقاد ہو کہ اللہ کو چھوڑ کر کوئی بھی عبادت کا مستحق نہیں ،جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ بَدِيعُ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلۡأَرۡضِۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُۥ وَلَدٞ وَلَمۡ تَكُن لَّهُۥ صَٰحِبَةٗۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيۡءٖۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيۡءٍ عَلِيمٞ ١٠١ ذَٰلِكُمُ ٱللَّهُ رَبُّكُمۡۖ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ خَٰلِقُ كُلِّ شَيۡءٖ فَٱعۡبُدُوهُۚ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ وَكِيلٞ ﴾(الانعام: ۱۰۱-۱۰۲)" وہ آسمانوں وزمین کا موجد ہے، اللہ کے اولاد کہاں ہو سکتی ہے، حالانکہ اس کی بیوی ہی نہیں، اور اللہ نے ہر چیز کو پیدا کیا اور وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے☆ یہ ہے اللہ تمہارا رب، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، ہر چیز کا پیدا کرنے والا، پس تم اس کی عبادت کرو، اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے"۔

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ وَمَا خَلَقۡتُ ٱلۡجِنَّ وَٱلۡإِنسَ إِلَّا لِيَعۡبُدُونِ ﴾ (الذاريات: ٥٦)

"میں نے جنوں اور انسانوں کو محض اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ صرف میری عبادت کریں"۔

## عبادت کی تعریف :

تمام ظاہری و باطنی اعمال واقوال جو اللہ کی محبت اور اس کی رضا کے حصول کے لئے کئے جائیں

## رسالت کے اقرار کا مطلب:

انسان اس بات پر یقین و اعتقاد رکھے کہ اللہ نے اپنے نبی محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا، اور آپ پر قرآن نازل فرمایا ،اور تمام لوگوں تک اس دین کی تبلیغ کا حکم دیا، اور اس بات پر بھی اعتقاد رکھنا کہ اللہ اور اس کے رسول کی محبت، اور دونوں کی اطاعت وفرمانبرداری ہر فرد پر واجب ہے، اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کے بغیر اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوسکتی، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ ٱللَّهَ فَٱتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ ٱللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَٱللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴾ (آل عمران: ٣١) ''کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری تابعداری کرو، خود اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ معاف فرمادے گا، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

## اسلام کا دوسرا رکن

## صلاۃ (نماز) قائم کرنا

ایک انسان کا یہ اعتقاد ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہر مسلمان بالغ، عاقل شخص پر دن ورات میں پانچ وقت کی نماز کو واجب قرار دیا ہے، جسے کامل طہارت کے ساتھ ادا کرنا ہے، اور ہر روز پاکیزگی، خشوع اور کامل انکساری کے ساتھ اپنے رب کے روبرو باادب کھڑا ہونا ہے، اس کی عطا کردہ نعمتوں پر شکر گذاری، اس کے فضل واحسان کا سوال، اس سے اپنے گناہوں کی مغفرت، اور جنت کا سوال اور جہنم سے اس کی پناہ چاہنی ہے۔

## نماز کی فرضیت اور اس کی محافظت

دن ورات میں اللہ کی فرض کردہ نمازیں پانچ ہیں: ۱-فجر ۲-ظہر ۳-عصر ۴-مغرب ۵-عشاء

اللہ تعالی نے نماز کا ذکر قرآن کریم میں مختلف پیرائے سے کیا ہے:

۱۔اللہ تعالی نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے قول کو یوں نقل کیا ہے جب وہ اللہ سے اپنے مہم میں اثبات اور استحکام کا سوال کر رہے تھے: ﴿رَبِّ ٱجۡعَلۡنِي مُقِيمَ ٱلصَّلَوٰةِ وَمِن ذُرِّيَّتِي﴾ (ابراهيم: ٤٠)۔''اے میرے رب! مجھے نماز کو پابندی کے ساتھ قائم کرنے والوں میں سے بنا،اور میری اولاد کو بھی ایسا بنا''۔

۲۔اللہ تعالی نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کرتے ہوئے کہا:﴿وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَ لِذِكۡرِيٓ﴾ (طه: ١٤)۔

''اے موسیٰ! تم میرے ذکر (میری یاد )کے لئے نماز قائم کرو''۔

۳۔اور عیسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿وَأَوۡصَٰنِي بِٱلصَّلَوٰةِ وَٱلزَّكَوٰةِ مَا دُمۡتُ حَيًّا﴾ (مريم: ٣١)۔ ''اور اس ( اللہ) نے مجھے وصیت کی ہے نماز کی اور زکوٰۃ کی کہ جب تک میں با حیات رہوں اسے قائم رکھوں''۔

۴۔اللہ تعالی محمد ﷺ کو حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے :﴿ٱتۡلُ مَآ أُوحِيَ إِلَيۡكَ مِنَ ٱلۡكِتَٰبِ وَأَقِمِ ٱلصَّلَوٰةَۖ﴾ (العنكبوت: ٤٥)۔''اے نبی ﷺ !جو کتاب تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرو اور نماز قائم رکھو''۔

۵۔پھر تمام مومنوں کو حکم دیتے ہوئے اللہ عز و جل فرماتا ہے ﴿إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ كَانَتۡ عَلَى ٱلۡمُؤۡمِنِينَ كِتَٰبٗا مَّوۡقُوتٗا﴾ (النساء: ١٠٣)۔ ''بیشک نماز متعین اوقات کے ساتھ مسلمانوں پر فرض کی گئی ہے''۔

نماز چاہے فرض ہو یا نفل تمام امور میں اللہ کی طرف سچی توجہ کی مثال پیش کرتی ہے،اور اللہ تعالی نے تمام اہل ایمان کو حکم فرمایا ہے کہ وہ باجماعت اس کی محافظت کریں:

﴿حَٰفِظُواْ عَلَى ٱلصَّلَوَٰتِ وَٱلصَّلَوٰةِ ٱلۡوُسۡطَىٰ وَقُومُواْ لِلَّهِ قَٰنِتِينَ﴾ (البقرة: ٢٣٨)۔

'' نمازوں کی حفاظت کرو، بالخصوص درمیان والی نماز کی،اور اللہ کے لئے باادب کھڑے رہا کرو''۔

## تارک صلاۃ (نماز چھوڑنے والے) کا حکم

جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑی اس نے کفر کیا، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (الروم: ٣١)۔

" (لوگو!) اللہ کی طرف رجوع ہو کر اس سے ڈرتے رہو، اور نماز کو قائم رکھو، اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ"۔

ترک صلاۃ کی سنگینی کو اللہ کے رسول نے کچھ ان الفاظ میں بیان فرمایا: عن بريدة الأسلمي رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال : « الْعَهْدُ الَّذِي بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلَاةُ، فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ » بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " وہ عہد و پیمان جو ہمارے اور ان ( منافقین) کے درمیان میں ہے، وہ نماز کا ہے، پس جس نے اس کو ترک کیا اس نے کفر کیا"۔ (ترمذی: ٢٦٢١، ابن ماجہ: ١٠٧٩، صحیح)۔

**فائدہ**: اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اہل اسلام اور منافقین کے درمیان نماز کی ادائیگی کا عہد و پیمان ہے، نماز ترک کرنے کی صورت میں وہ کفار کے حکم میں داخل ہو جائیں گے، اور ان سے ایسے ہی جنگ کی جائے گی جیسے بغیر عہد و پیمان والے شخص سے کی جاتی ہے، اور جب تک وہ نماز کی ادائیگی کے عہد پر قائم رہیں گے ان کے جان و مال محفوظ رہیں گے، اور ان سے کوئی جنگ نہیں کی جائیگی۔

## نماز کی اہمیت اور اس کی فضیلت

١۔ اللہ تعالی نے قرآن کریم میں نماز کا فائدہ کچھ اس طرح بیان فرمایا: ﴿إِنَّ الصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ ۗ وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ ۗ﴾ (العنكبوت: ٤٥)۔ "نماز بیشک برائیوں اور منکرات سے روکتی ہے، اور اللہ کا ذکر سب سے عظیم ہے"۔

٢۔ دوسری جگہ اللہ تعالی یوں فرماتا ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿٣٤﴾ أُولَٰئِكَ فِي جَنَّاتٍ مُّكْرَمُونَ﴾ (العنکبوت: ٣٤-٣٥)۔

''اور وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظت کرتے ہیں یعنی نہایت پابندی کے ساتھ با جماعت وقت متعین پر ادا کرتے ہیں☆ وہی لوگ جنتوں میں باعزت احترام کے ساتھ ہوں گے''۔

۳۔ پانچ وقت کی نماز ادا کرنے کا ثواب پچاس وقت کی نماز ادا کرنے کے برابر ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: «فُرِضَتْ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِهِ الصَّلَوَاتُ خَمْسِينَ ، ثُمَّ نُقِصَتْ حَتَّى جُعِلَتْ خَمْسًا ، ثُمَّ نُودِيَ : يَا مُحَمَّدُ! إِنَّهُ لا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَإِنَّ لَكَ بِهَذِهِ الْخَمْسِ خَمْسِينَ» ''جس رات رسول اللہ ﷺ کو معراج نصیب ہوئی اس رات آپ ﷺ پر پہلے پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی، پھر کم ہوتے ہوتے پانچ وقت کی ہو گئی، پھر آپ ﷺ کو پکار کر آواز دی گئی کہ اے محمد! میرے پاس بات بدلی نہیں جاتی، بیشک تمہارے لئے ان پانچ وقت کی نمازوں کا صلہ پچاس وقت کی نمازوں کے برابر ملے گا'' (ترمذی :۲۱۳، نسائی:۴۴۹، صحیح)۔

۴۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا : « أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا ، مَا تَقُولُ: ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ " قَالُوا : لاَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا ، قَالَ: «فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الخَطَايَا » .'' بتاؤ تم لوگ ! اگر تم میں سے کسی کے دروازہ کے سامنے سے دریا بہتا ہو، اور وہ شخص اس دریا میں روزانہ پانچ مرتبہ غسل کرے، تو کیا اس کے جسم پر کچھ میل کچیل باقی رہیگی''؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے کہا : کچھ بھی میل باقی نہیں رہیگی! پھر آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہی مثال پانچ وقت کی نمازوں کی ہے کہ اللہ تعالی ان کے ذریعہ سے بندوں کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے'' ( بخاری:۵۲۸، مسلم:۶۶۷)۔

۵۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:« إِنَّ أَوَّلَ مَا يُحَاسَبُ بِهِ الْعَبْدُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ عَمَلِهِ صَلاتُهُ، فَإِنْ صَلُحَتْ، فَقَدْ أَفْلَحَ وَأَنْجَحَ، وَإِنْ فَسَدَتْ، فَقَدْ خَابَ وَخَسِرَ » ( أبو داود (٨٦٤) ، والترمذي (٤١٣) ، واللفظ له والنسائي (٤٦٥) ، وصححه الألباني في " صحيح سنن الترمذي) "بروز قیامت بندے کے جس عمل کا سب سے پہلے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہوگی، اگر نماز صحیح رہی تو کامیاب وکامراں ہو گیا، اور اگر نماز میں خرابی پائی گئی تو ناکام ونامراد ہوا"۔

# اسلام کا تیسرا رکن

## زکاۃ ادا کرنا

**زکاۃ کی لغوی تعریف:** پاک کرنا

**زکٰوۃ کی شرعی تعریف:** چند شرطوں کے ساتھ مخصوص مال میں، مخصوص لوگوں کے لئے، مخصوص وقت میں واجبی صدقہ ہے۔

**زکاۃ کی فرضیت:**

ہر مالدار جس کا مال نصاب تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال کی مدت بھی گذر جائے تو اس پر اللہ نے زکاۃ کی ادائیگی کو واجب قرار دیا ہے جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے:

﴿ وَأَقِيمُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتُواْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَطِيعُواْ ٱلرَّسُولَ لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُونَ ﴾ (النور: ٥٦)۔ "اور تم نماز قائم کرو، اور زکٰوۃ ادا کرو، اور تم رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے"۔

ایک دوسری جگہ اللہ نے فرمایا: ﴿ خُذۡ مِنۡ أَمۡوَٰلِهِمۡ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمۡ وَتُزَكِّيهِم بِهَا وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡۖ إِنَّ صَلَوٰتَكَ سَكَنٞ لَّهُمۡۗ ﴾ (التوبة: ١٠٣)۔ "آپ ان کے مالوں میں سے صدقہ لے لیجئے، جس کے ذریعہ سے آپ ان کو پاک صاف کردیں، اور ان کے لئے دعا کیجئے، بلاشبہ آپ کی دعا ان کے لئے موجب اطمینان ہے"۔

زکاۃ نہ دینے والے کی سزا:

زکاۃ نہ ادا کرنے سے دنیا میں بڑی بڑی مصیبتیں اور پریشانیاں دامن گیر ہوتی ہیں، اور آخرت میں بھی سخت ترین عذاب کا وعدہ کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ نے قرآن میں اس کی وضاحت فرمائی ہے: ﴿ وَٱلَّذِينَ يَكۡنِزُونَ ٱلذَّهَبَ وَٱلۡفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ فَبَشِّرۡهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٖ ﴿٣٤﴾ يَوۡمَ يُحۡمَىٰ عَلَيۡهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكۡوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمۡ وَجُنُوبُهُمۡ وَظُهُورُهُمۡۖ هَٰذَا مَا كَنَزۡتُمۡ لِأَنفُسِكُمۡ فَذُوقُواْ مَا كُنتُمۡ تَكۡنِزُونَ ﴾ (التوبة: ٣٤-٣٥)۔ ''اور جو لوگ سونے چاندی کا خزانہ رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے☆ جس دن اس خزانے کو آتش دوزخ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں اور پہلو اور پیٹھیں داغی جائیں گی، (ان سے کہا جائے گا) یہ ہے جسے تم نے اپنے لئے خزانہ بنا رکھا تھا، پس اپنے خزانوں کا مزہ چکھو''۔

## زکاۃ کو چھپا کر دینا افضل ہے

بر سر عوام زکاۃ دینے سے چھپا کر دینا افضل ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿ إِن تُبۡدُواْ ٱلصَّدَقَٰتِ فَنِعِمَّا هِيَۖ وَإِن تُخۡفُوهَا وَتُؤۡتُوهَا ٱلۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٞ لَّكُمۡۚ وَيُكَفِّرُ عَنكُم مِّن سَيِّـَٔاتِكُمۡۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ خَبِيرٞ ﴾ (البقرة: ٢٧١)۔ ''اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو تو وہ بھی اچھا ہے، اور اگر تم اسے پوشیدہ پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، اللہ تمہارے گناہوں کو مٹادے گا، اور وہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے ''۔

زکوٰۃ کے فوائد :

۱- تمام چیزوں سے پیشتر یہ اللہ سبحانہ و تعالی کی اطاعت وفرمانبرداری ہے۔

۲- فقراء اور مساکین کی اس سے مدد اور غم خواری ہوتی ہے۔

۳- انسان اس سے جود و کرم اور سخاوت سیکھتا ہے اور بخل جیسی قبیح صفت سے بچ جاتا ہے۔
۴-مال کو پاکیزہ بناتی ہے اور اس میں نمو کی صلاحیت پیدا کرتی ہے۔
۵-مالدار اور نادار و مسکین کے درمیان محبت کو تقویت ملتی ہے اور پیار و محبت کی فضا ہموار ہوتی ہے۔
٦-غربت اور فقر کی باعث معاشرے میں جنم لینے والی برائیوں کی روک تھام میں اس کا کردار انتہائی نمایاہے، اور یہ معاشرے کو امن و سلامتی سے سرفراز کرنے میں کلیدی رول ادا کرتی ہے۔

## جن مالوں میں زکٰوۃ واجب ہے:

۱- سونا ،چاندی،اور نقدی (کیش) ۲- سامان تجارت
۳- مویشی اور چوپائے (یہ اونٹ، گائے،اور بکریاں دنبہ وغیرہ ہیں)،
۴- زراعت(غلہ جات و میوہ جات)

## زکاۃ کے مستحقین:

زکاۃ کے حقداروں کا ذکر اللہ نے قرآن کریم میں یوں فرمایاہے : ﴿إِنَّمَا ٱلصَّدَقَٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَٱلۡمَسَٰكِينِ وَٱلۡعَٰمِلِينَ عَلَيۡهَا وَٱلۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمۡ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَٱلۡغَٰرِمِينَ وَفِي سَبِيلِ ٱللَّهِ وَٱبۡنِ ٱلسَّبِيلِۖ فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٞ﴾ (التوبة: ٦٠)۔ ”صدقات(زکاۃ و خیرات)صرف فقیروں اور مسکینوں کے لئے،اور ان کے وصول کرنے والوں کے لئے،اور ان لوگوں کے لئے جن کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے، اور گردن چھڑانے میں،اور قرض داروں کے لئے،اور اللہ کی راہ میں،اور راہ رو مسافروں کے لئے،فرض ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب علم و حکمت والا ہے “۔

مذکورہ بالا آیت میں اللہ نے زکاۃ کا مصرف بیان فرما دیاہے،اور یہ اللہ کی طرف سے متعین کردہ ہے اس لئے اس کے علاوہ زکاۃ کا مال کسی اور مد میں خرچ کرنا جائز نہیں ہے۔

# اسلام کا چوتھا رکن

## ماہ رمضان کا روزہ رکھنا

**صیام (روزہ) کا لغوی معنی:** کسی چیز سے اپنے آپ کو روکے رکھنا

**صیام (روزہ) کا شرعی معنی:** کھانے پینے اور جماع (ہمبستری) جیسی روزہ توڑنے والی چیزوں سے طلوع فجر سے غروب آفتاب تک روزہ کی نیت کے ساتھ اپنے آپ کو روکے رکھنا۔

اللہ تعالی نے اس کی وضاحت کچھ اس طرح فرمائی ہے: ﴿وَكُلُوا۟ وَٱشْرَبُوا۟ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ ٱلْخَيْطُ ٱلْأَبْيَضُ مِنَ ٱلْخَيْطِ ٱلْأَسْوَدِ مِنَ ٱلْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا۟ ٱلصِّيَامَ إِلَى ٱلَّيْلِ﴾ (البقرة: ١٨٧)۔ ''تم کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ صبح کا سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے ظاہر ہو جائے، پھر رات تک روزے کو پورا کرو''۔

**روزہ کی فرضیت:**

اللہ تعالی نے ہر مسلمان بالغ وعاقل، مرد وعورت سب پر ماہ رمضان کا روزہ فرض کیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿شَهْرُ رَمَضَانَ ٱلَّذِىٓ أُنزِلَ فِيهِ ٱلْقُرْءَانُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنَٰتٍ مِّنَ ٱلْهُدَىٰ وَٱلْفُرْقَانِ ۚ فَمَن شَهِدَ مِنكُمُ ٱلشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۖ وَمَن كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ ۗ يُرِيدُ ٱللَّهُ بِكُمُ ٱلْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ ٱلْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا۟ ٱلْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا۟ ٱللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَىٰكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ (البقرة: ١٨٥)۔ ''ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے، اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل کی تمیز کی نشانیاں ہیں، تم میں سے جو شخص اس مہینے کو پائے اسے روزہ رکھنا چاہئے، ہاں جو بیمار ہو یا مسافر ہو اسے دوسرے دنوں میں یہ گنتی پوری کرنی چاہئے، اللہ کا ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے، سختی کا نہیں، وہ چاہتا ہے کہ تم گنتی پوری کرلو، اور اللہ کی دی ہوئی ہدایت پر اس کی بڑائیاں بیان کرو، اور اس کا شکر کرو''۔

ایک دوسری جگہ اللہ نے اس طرح فرمایا: ﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ ﴾ (البقرة: ۱۸۳)۔ ''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے، جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا تاکہ تم تقوی اختیار کرو ''۔

## روزے کی اہمیت و فضیلت:

مختلف احادیث میں ماہ رمضان کے روزے کی گوناگوں فضائل بیان کئے گئے ہیں بالاختصار یہاں ایک حدیث قدسی بیان کی جارہی ہے جسے مشہور صحابی رسول ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «قَالَ اللَّهُ :كُلُّ عَمَلِ ابْنِ آدَمَ لَهُ إِلا الصِّيَامَ ،فَإِنَّهُ لِي وَأَنَا أَجْزِي بِهِ، وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ، وَإِذَا كَانَ يَوْمُ صَوْمِ أَحَدِكُمْ، فَلا يَرْفُثْ ،وَلا يَصْخَبْ، فَإِنْ سَابَّهُ أَحَدٌ أَوْ قَاتَلَهُ، فَلْيَقُلْ: إِنِّي امْرُؤٌ صَائِمٌ، وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ، لَخُلُوفُ فَمِ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللَّهِ مِنْ رِيحِ الْمِسْكِ، لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ يَفْرَحُهُمَا: إِذَا أَفْطَرَ فَرِحَ، وَإِذَا لَقِيَ رَبَّهُ فَرِحَ بِصَوْمِهِ» ''اللہ عزوجل نے فرمایا : انسان کا ہر عمل اسکے لئے ہے مگر روزہ میرے لئے ہے ،اس کا بدلا میں اسے دونگا، یہ روزہ حقیقت میں ایک ڈھال اور بچاؤ ہے، لہذا جس دن تم میں سے کوئی روزہ دار ہو تو اسے چاہئے کہ اس دن وہ روزہ توڑ دینے والی کوئی غلط حرکت نہ کرے ، یعنی بیوی سے ہمبستری نہ کرے ،اور نہ ہی کسی کو گالی گلوچ بکے، بلکہ اگر اسے کوئی گالی دیتا ہے یا اس سے لڑائی جھگڑا کرتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس لڑنے اور گالی بکنے والے سے کہے کہ میں روزہ دار شخص ہوں،،۔ پھر آگے آپ ﷺ نے فرمایا : ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے، روزہ دار کے منھ کی بو بروزِ قیامت اللہ کے نزدیک مشک عنبر کی خوشبو سے کہیں زیادہ بڑھ کر اچھی اور بہتر خوشبو ہوگی، روزہ دار کے لئے خوشیوں کے دو عظیم لمحات ہیں، جن میں وہ بڑی عظیم خوشی محسوس کرتا ہے، ایک لمحہ روزہ افطاری کے وقت کا ہے جب وہ روزہ کھولتا ہے، دوسری خوشی کا

لمحہ جب وہ اپنے رب سے ملے گا، اس وقت اپنے روزہ کی وجہ سے خوشی محسوس کریگا"۔
(بخاری:۱۸۹۴-۱۹۰۴-۵۹۲۷، مسلم : ۱۱۵۱)

## روزے کے فوائد:

روزے کے بے شمار جسمانی وروحانی اور دنیوی واخروی فائدے ہیں، طوالت کے خوف سے یہاں صرف چند اہم فوائد حوالہ قرطاس کئے جارہے ہیں:

(۱)سب سے پہلے اللہ کے حکم کی اطاعت وتابعداری ہے، کیونکہ اس نے اسے تمام مسلمانوں پر واجب کیا ہے۔
(۲)اس سے تقوی اور خشیت الہی حاصل ہوتی ہے۔(۳)بندوں کے گناہوں کی معافی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔
(۴)صبر اور غم خواری کا سب سے بڑا محرک ہے۔
(۵)بدن سے تیزابیت کو دور کرتا ہے، ہضم کرنے والے معدے کو راحت بخشتا ہے، خون میں پائی جانے والی شوگر کو کم کرتا ہے، بلڈ پریشر کے مریضوں کے لئے کافی مفید ہے، کسی بھی طرح کے نشہ میں ملوث شخص کو اس سے نجات دلانے میں کلیدی کردار ادا کرتا ہے۔

## روزہ کو توڑنے والی چیزیں:

۱-کھانا ،پینا اور سگریٹ نوشی وغیرہ کا استعمال،۲-جو چیز کھانے اور پینے کے مشابہ ہو،
۳-جان بوجھ کر یعنی عمداً قے کرنا،۴-زیادہ مقدار میں خون چڑھوانا،۵-حیض اور نفاس کا آنا،۶-مشت زنی سے منی نکالنا یا عمداً کسی طرح سے منی نکالنا،۷-جماع یعنی ہمبستری کرنا۔

# اسلام کا پانچواں رکن

## حج کرنا

مسلمان دنیا میں دور دراز خطوں میں بستے ہیں، اور اسلام انھیں اجتماعیت اور باہم شناسائی کی دعوت دیتا ہے، ساتھ ہی ساتھ تقوی، حق کی تلقین اور بھلائی کے کاموں پر باہمی تعاون، دعوت الی اللہ اور شعائر الہی کی تعظیم وتکریم کی ترغیب

دیتا ہے، انہیں بلند و بالا مقاصد کے پیش نظر اللہ سبحانہ تعالی نے ہر بالغ، عاقل، صاحب استطاعت مسلمان پر اپنے محترم گھر کی زیارت، اس کا طواف، اور اپنے اور اپنے نبی کے بیان کردہ طریقہ کے مطابق مناسک حج کی ادائیگی کو واجب قرار دیا، اور اسے اس انداز میں فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ عَلَى ٱلنَّاسِ حِجُّ ٱلْبَيْتِ مَنِ ٱسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلاً ۚ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ ٱللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ ٱلْعَـٰلَمِينَ﴾ (آل عمران: ۹۷)۔ "اللہ نے ان لوگوں پر جو اس کی طرف راہ پا سکتے ہوں اس گھر کا حج فرض کر دیا ہے، اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے"۔

## آداب حج:

حج کے کچھ آداب اور چند شروط ہیں جسے بروئے کار لانا ہر مسلمان حاجی پر واجب ہے جیسے رب کی حرام کردہ چیزوں سے زبان، کان اور نگاہوں کی حفاظت، خلوص نیت، حلال کمائی، مکارم اخلاق کا مظاہرہ، جماع، جنسی گفتگو، گالی گلوچ، اور لڑائی و جھگڑا جیسے حج کو فاسد کرنے والے کاموں سے اپنے آپ کو دور رکھنا، اور اس کی وضاحت اللہ نے یوں فرمائی ہے: ﴿ٱلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَـٰتٌ ۚ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ ٱلْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِى ٱلْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا۟ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ ٱللَّهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا۟ فَإِنَّ خَيْرَ ٱلزَّادِ ٱلتَّقْوَىٰ ۚ وَٱتَّقُونِ يَـٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَـٰبِ﴾ (البقرة: ۱۹۷)۔ " حج کے مہینے مقرر ہیں، اس لئے جو شخص اس میں حج لازم کرلے وہ اپنی بیوی سے میل ملاپ کرنے، گناہ کرنے، اور لڑائی جھگڑے کرنے سے بچتا رہے، تم جو نیکی کروگے اللہ اس سے باخبر ہے، اور اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر توشہ اللہ کا ڈر ہے، اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہا کرو"۔

## حج کی فضیلت:

اختصار کو مد نظر رکھتے ہوئے یہاں چند فوائد احادیث کی روشنی میں ذکر کئے جارہے ہیں، ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: « مَنْ حَجَّ لِلَّهِ فَلَمْ يَرْفُثْ، وَلَمْ يَفْسُقْ، رَجَعَ كَيَوْمِ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ » .

" جس نے اللہ کے لئے حج کیا، اور دوران حج اس نے بیوی سے ہمبستری نہیں کی، اور نہ ہی لڑائی جھگڑا کیا، تو وہ شخص اس دن کی طرح سے گناہوں سے پاک و صاف ہو کر لوٹا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا " (بخاری:۱۸۱۹-۱۸۲۰-۱۸۲۱ ،مسلم :۱۳۵۰) ۔

ایک دوسری حدیث میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: « العُمْرَةُ إِلَى العُمْرَةِ كَفَّارَةٌ لِمَا بَيْنَهُمَا ، وَالحَجُّ المَبْرُورُ لَيْسَ لَهُ جَزَاءٌ إِلا الجَنَّةُ » " ایک عمرہ دوسرے عمرہ تک ان گناہوں کے لئے کفارہ ہے جو ان دونوں کے بیچ میں واقع ہوئے،اور حج مبرور کا بدلہ صرف جنت ہے" (بخاری:۱۷۷۳ ،مسلم :۱۳۴۹) ۔

## حج کے چند فائدے:

۱-سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ اللہ سبحانہ و تعالی کے حکم کی تعمیل واطاعت ہے۔

۲-اسلام کے عالمگیر دین ہونے کا اظہار ہے۔

۳-قیامت کے دن کی یاد دلاتا ہے۔

# طہارت (پاکی وصفائی) کا بیان

**طہارت کی لغوی تعریف:**

طہارت کا معنی ظاہری اور باطنی گندگی سے پاکی وصفائی حاصل کرنا۔

**طہارت کی شرعی تعریف:**

ناپاکی ختم کرنا،اور نجاست کو زائل کرنا۔

## طہارت کی قسمیں

طہارت کی دو قسمیں ہیں:

۱-ظاہری (حسی) طہارت:

پانی سے وضو یا غسل کرنا، اس کے علاوہ کپڑا، جسم اور جگہ کا نجاست سے پاک ہونا۔

۲-باطنی (معنوی) طہارت:

دل کا بری صفات سے پاک وصاف ہونا مثلاً شرک، کفر، غرور تکبر، خود پسندی، کینہ، حسد، نفاق اور ریاء وغیرہ ،اور اس کا اچھی صفات سے لبریز ہونا مثلاً توحید، ایمان، سچائی، اخلاص یقین، توکل علی اللہ، سخاوت اور احسان وغیرہ اور مزید اس کی تکمیل بکثرت توبہ واستغفار اور ذکر الٰہی سے ہوتی ہے۔

## طہارت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے

۱-پانی

اور اس کی دو قسمیں ہیں:

☆ پاک پانی: پاک پانی وہ ہے جو اپنی اصلی حالت پر برقرار رہے جیسے بارش کا پانی، سمندر کا پانی، ندی کا پانی ،پگھلنے والی برف یا جو پانی زمین سے خود نکلے یا کسی آلہ سے نکالا جائے چاہے وہ میٹھا ہو یا نمکین، گرم ہو یا ٹھنڈا ایسی وہ پاک

پانی ہے جس سے طہارت حاصل کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿وَأَنزَلْنَا مِنَ ٱلسَّمَآءِ مَآءً طَهُورًا﴾ [الفرقان: ٤٨] ''اور ہم نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا ہے''۔

☆ نجس پانی: نجس پانی وہ ہے جس کا رنگ یا مزہ یا بو نجاست کی وجہ سے تبدیل ہو جائے، چاہے وہ کم ہو یا زیادہ، اس پانی سے طہارت حاصل کرنا جائز نہیں۔

## مسائل

☆ نجس پانی اس وقت پاک ہو جاتا ہے جب کہ اس کی تبدیلی خود بخود زائل ہو جائے یا وہ پانی نکال لیا جائے یا اس میں دوسرا پانی ملا دیا جائے جس سے اس کی تبدیلی زائل ہو جائے۔

☆ اگر پانی کی نجاست یا طہارت کے بارے میں مسلمان کو شک ہو تو وہ اصل پر بنا کرے کیونکہ اس کی اصل طہارت ہے جس پر شک سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔

☆ اگر پاک پانی نجاست کے ساتھ مشتبہ ہو جائے اور اس کے علاوہ دوسرا پانی نہ ملے تو اگر غالب گمان یہ ہو کہ وہ پاک ہے تو اس سے وضو کر لے۔

☆ اگر پاک کپڑے میں نجاست یا حرام چیز لگنے کا شبہ ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا کپڑا نہ ہو تو اجتہاد کر کے نماز پڑھ لے، اگر اس بات کا غالب گمان ہو کہ وہ پاک ہے اور اس کی نماز ان شاءاللہ صحیح ہو جائے گی۔

### ۲- پاک مٹی:

جس میں ریت، مٹی، پتھر، غبار سب داخل ہیں البتہ یہ اس وقت وضو یا غسل کے قائم مقام ہو گی جب پانی میسر نہ ہو یا اس کے استعمال سے بیماری یا کوئی اور چیز مانع ہو جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿فَلَمْ تَجِدُوا۟ مَآءً فَتَيَمَّمُوا۟ صَعِيدًا طَيِّبًا﴾ [النساء: ٤٣] ''پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کر لو''۔

## مسائل

☆حدث اصغر یا حدث اکبر سے طہارت پانی سے حاصل ہوتی ہے ،اور اگر پانی نہ ملے تو تیمم کیا جائے،اسی طرح اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ پانی استعمال کرنے سے نقصان پہنچے گا تو تیمم کیا جائے۔

☆بدن یا کپڑے یا جگہ پر لگی ہوئی نجاست کی طہارت پانی یا دوسرے سوائل (بہنے والی چیز) یا پاک جامد چیزوں سے ہوگی جو عین اس گندگی کو دور کر دے، مثلا، بھاپ، کیمیکل وغیرہ۔

☆جن جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے ان کی لید، منی، اور آدمی کی منی، اور بلی کا جوٹا سب پاک ہے۔

## سونے چاندی کے برتنوں اور کفار کے لباس کے استعمال کا حکم

سونے اور چاندی کے برتنوں میں کھانا، پینا، مرد اور عورت دونوں کے لئے حرام ہے اور اس کے ہر قسم کے استعمال پر پابندی ہے، البتہ عورتیں اس کا زیور بنا سکتی ہیں اور مرد چاندی کی انگوٹھی پہن سکتے ہیں، اسی طرح ضرورت کے وقت سونے یا چاندی کے دانت یا ناک لگوائے جا سکتے ہیں جیسا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لا تَلْبَسُوا الْحَرِيرَ وَلا الدِّيبَاجَ وَلاتَشْرَبُوا فِي آنِيَةِ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَلا تَأْكُلُوا فِي صِحَافِهَا فَإِنَّهَا لَهُمْ فِي الدُّنْيَا وَلَنَا فِي الآخِرَةِ» "تم خالص ریشم اور دیباج نہ پہنو، اور نہ سونے اور چاندی کے برتن میں پیو اور نہ سونے اور چاندی کی رکابیوں میں کھانا کھاؤ کیونکہ وہ دنیا میں کافروں کے لئے ہے، اور ہمارے لئے آخرت میں ہے"۔(صحیح البخاری: ٥٤٢٦، صحیح مسلم: ٢٠٦٧) .

اور ایک دوسری حدیث میں ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الَّذِي يَشْرَبُ فِي إِنَاءِ الْفِضَّةِ إِنَّمَا يُجَرْجِرُ فِي بَطْنِهِ نَارَ جَهَنَّمَ» "جو شخص چاندی کے برتن میں پیتا ہے، وہ اپنے پیٹ میں گویا دوزخ کی آگ گٹ گٹ اتارتا ہے"(صحیح البخاری: ٥٦٣٤، صحیح مسلم: ٢٠٦٥).

## مسائل

☆وضو وغیرہ کرنے کے لئے ہر پاک برتن استعمال کرنا جائز ہے اگر وہ غصب کیا ہوا یا سونے چاندی کا نہ ہو اور اگر وہ غصب کیا ہوا ہے یا سونے چاندی کا برتن ہے تو اس کا بنانا اور استعمال کرنا حرام ہے لیکن اگر کسی نے سونے یا چاندی کے برتن میں وضو کر لیا تو اس کو گناہ ملے گا لیکن اس کا وضو صحیح ہو جائے گا۔

☆کفار کے برتنوں اور کپڑے کا حال اگر معلوم نہ ہو تو اس کو استعمال کرنا جائز ہے کیونکہ اصلا وہ پاک ہے لیکن اگر نجاست کی موجودگی کا پتہ چل جائے تو پانی سے اس کا دھونا واجب ہے۔

## نجاست اور اس کے اقسام واحکام

مسلمانوں پر جن نجاستوں کو دور کرنا اور ایک یا کئی بار دھو کر اس کے اثر کو زائل کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

آدمی کا پیشاب اور پاخانہ، بہنے والا خون، حیض اور نفاس کا خون ، ودی، مذی، مردار (سوائے مچھلی اور ٹڈی کے) سور کا گوشت، ان جانوروں کا پیشاب اور گوبر جن کا گوشت کھانا حرام ہے جیسے خچر گدھا وغیرہ اور کتے کا لعاب اس کو سات مرتبہ دھویا جائے پہلی بار مٹی سے۔ جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «طَهُورُ إِنَاءِ أَحَدِكُمْ إِذَا وَلَغَ فِيهِ الْكَلْبُ أَنْ يَغْسِلَهُ سَبْعَ مَرَّاتٍ أُولاهُنَّ بِالتُّرَابِ» ”تم میں سے کسی کے برتن کی پاکی جب کہ کتا منہ ڈال کر اس میں سے پیئے یہ ہے کہ اسے سات بار دھوئے جس میں پہلی بار مٹی سے دھوئے“۔ (صحیح البخاری: ۱۷۲، صحیح مسلم: ۲۷۹)

☆اگر جوتے یا موزے میں نجاست لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اسے زمین پر اس طرح رگڑ دیا جائے کہ نجاست کا اثر زائل ہو جائے۔

## قضائے حاجت کے آداب کا بیان

استنجاء کا معنی: پیشاب اور پاخانے کے راستے سے نکلنے والی ہر چیز کو پانی سے زائل کرنے کو استنجاء کہتے ہیں۔

استجمار کا معنی: ڈھیلہ یا پتھر یا کاغذ وغیرہ سے پاخانہ اور پیشاب کے راستوں سے نکلنے والی چیزوں کو زائل کرنے کو استجمار کہتے ہیں۔

**بیت الخلاء میں داخل ہونے اور نکلتے وقت کتنی باتوں کو ملحوظ رکھے:**

(الف) بیت الخلاء جاتے وقت پہلے بایاں پاؤں اندر کرنا اور بسم اللہ کہنا اور یہ دعا پڑھنا: «اللَّهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ» ''اے اللہ میں نر اور مادہ جنوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں'' سنت ہے (صحیح البخاری: ۱۴۲)۔

(ب) بیت الخلاء سے نکلنے کے وقت اپنا دایاں پاؤں پہلے باہر نکالنا اور ''غفرانک'' کہنا سنت ہے۔ (سنن ابی داود: ۳۰، سنن الترمذی: ۷، صحیح)

## مسائل

☆مسجد میں داخل ہونے کے وقت اور کپڑا اور جوتا پہننے کے وقت داہنا پاؤں یا ہاتھ پہلے داخل کرنا سنت ہے، اور مسجد سے نکلنے کے وقت اور کپڑا اور جوتا نکالنے کے وقت بایاں پاؤں یا ہاتھ پہلے نکالنا سنت ہے۔

☆جو شخص میدان یا صحراء میں قضائے حاجت کے لئے جائے اس کے لئے سنت یہ ہے کہ اتنی دور نکل جائے کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائے اور آڑ کر کے بیٹھے اور ایسی نرم زمین میں بیٹھے کہ پیشاب کے چھینٹوں سے ناپاک نہ ہو۔

☆حمام میں مصحف (قرآن کریم) لے جانا جائز نہیں اور نہ حمام میں بات چیت درست ہے، الا یہ کہ کسی ضرورت سے کلام کیا جائے مثلاً کسی بھٹکے ہوئے کی رہنمائی کر رہا ہو یا پانی مانگ رہا ہو۔

☆حمام میں کوئی ایسی چیز لے جانا جس میں اللہ کا نام ہو جائز ہے مگر نہ لے جانا افضل ہے، حمام میں اور سوراخ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے اور اسی طرح داہنے ہاتھ سے شرم گاہ چھونا اور استنجا واستجمار کرنا بھی مکروہ ہے، قضائے حاجت کے وقت زمین سے قریب ہونے سے پہلے کپڑا اٹھانا بھی مکروہ ہے، پیشاب و پاخانہ کرتے وقت سلام کا جواب دینا مکروہ ہے، ایسا شخص حاجت سے فارغ ہونے کے بعد وضو کرے، پھر سلام کا جواب دے۔

☆قضائے حاجت کے وقت قبلہ کی طرف چہرہ یا پیٹھ کر کے بیٹھنا حرام ہے چاہے کھلے میدان میں ہو یا عمارت میں جیسا کہ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذَا أَتَيْتُمْ الْغَائِطَ فَلا تَسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَةَ وَلا تَسْتَدْبِرُوهَا بِبَوْلٍ وَلا غَائِطٍ وَلَكِنْ شَرِّقُوا أَوْ غَرِّبُوا».

قَالَ أَبُو أَيُّوبَ فَقَدِمْنَا الشَّامَ فَوَجَدْنَا مَرَاحِيضَ قَدْ بُنِيَتْ قِبَلَ الْقِبْلَةِ فَنَنْحَرِفُ عَنْهَا وَنَسْتَغْفِرُ اللَّهَ. ”جب تم قضاء حاجت کے لیے جاؤ، تو نہ قبلہ کی طرف منہ کرو اور نہ پیٹھ۔ پیشاب کرنا ہو تب بھی اور پاخانہ کرنا ہو تب بھی۔ بلکہ پورب کی طرف کر لو، یا پچھم کی طرف“۔ ابو ایوب کہتے ہیں ہم شام آئے تو ہم نے وہاں قبلہ رخ بنی ہوئی کھڈیاں دیکھیں تو (جتنا ممکن ہوتا) ہم ٹیڑھے ہو کر بیٹھتے اور ہم اللہ سے استغفار کرتے۔ (صحیح البخاری: ٣٩٤، صحیح مسلم: ٢٦٤)

☆مسجد میں، راستے میں، نفع بخش سائے میں، پھل دار درخت کے نیچے گزر گاہوں پر اور اسی طرح عام راستوں پر جہاں لوگ آتے جاتے ہوں پیشاب پاخانہ کرنا منع ہے۔

☆استجمار صرف تین پاک کرنے والے پتھروں سے ہونا چاہئے اور اگر تین پتھروں سے صاف نہ ہو تو تین سے زیادہ پتھر استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور طاق استعمال کرنا سنت ہے مثلاً تین پتھر یا پانچ پتھر وغیرہ۔

☆ہڈی، لید، کھانا یا کسی محترم چیز سے استنجاء کرنا حرام ہے۔

☆پاخانہ، پیشاب کو پتھروں، ٹیشو پیپر اور ورق سے زائل کیا جائے، لیکن پانی استعمال کرنا افضل ہے، اس لئے کہ اس سے اچھی طرح صاف ہوتا ہے۔

☆کپڑے میں جس جگہ نجاست لگ جائے اس کو پانی سے دھونا ضروری ہے اور اگر نجاست کی جگہ کا پتہ نہ چل سکے تو پورا کپڑا دھویا جائے۔

☆بچے کے پیشاب پر چھینٹا مارا جائے، اور بچی کے پیشاب کو دھویا جائے، یہ اس وقت تک ہے جب تک کہ وہ کھانا نہ کھائیں اور جب کھانے لگیں تو دونوں کا پیشاب دھونا واجب ہے۔

☆آدمی پر واجب ہے کہ تمام نجاستوں سے اپنے آپ کو پاک وصاف رکھے جیسے پیشاب یا پاخانہ وغیرہ۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گزرے جن میں عذاب دیا جارہا تھا آپ نے فرمایا: «أَمَا إِنَّهُمَا لَيُعَذَّبَانِ وَمَا يُعَذَّبَانِ فِي كَبِيرٍ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَكَانَ يَمْشِي بِالنَّمِيمَةِ وَأَمَّا الآخَرُ فَكَانَ لايَسْتَتِرُ مِنْ بَوْلِهِ قَالَ: فَدَعَا بِعَسِيبٍ رَطْبٍ فَشَقَّهُ بِاثْنَيْنِ، ثُمَّ غَرَسَ عَلَى هَذَا وَاحِدًا وَعَلَى هَذَا وَاحِدًا، ثُمَّ قَالَ: لَعَلَّهُ أَنْ يُخَفَّفُ عَنْهُمَا مَا لَمْ يَيْبَسَا» ''دو قبروں کے پاس سے گذرے، تو آپ نے فرمایا: یہ دونوں قبر والے عذاب دیئے جارہے ہیں اور انھیں کسی بڑے گناہ کے سبب عذاب نہیں دیا جارہا ہے، ایک تو اس وجہ سے عذاب سے دوچار ہے کہ وہ چغلخوری کرتا تھا (ایک کی بات دوسرے سے لگا کر لڑائی جھگڑا کراتا تھا) اور دوسرا اس وجہ سے کہ وہ خود اپنے پیشاب سے بھی نہیں بچتا تھا (جس کی وجہ سے نجس رہتا تھا) راوی کہتے ہیں: پھر آپ نے ہری ٹہنی منگوائی اسے چیر کر دو حصے کر لیے اور ایک اس قبر پر ایک اس قبر پر گاڑ دیئے، پھر فرمایا: توقع ہے کہ جب تک یہ نہ سوکھیں ان کا عذاب ہلکا ہو جائے'' (صحیح البخاری: ۱۳٦۱، صحیح مسلم: ۲۹۲)

## فطری سنتوں کا بیان

اللہ تعالی نے انسانی تخلیق میں انسان کے لئے کچھ خصوصی اور فطری سنتیں بنائی ہیں جس کو بروئے کار لا کر وہ انسانیت کے بلند درجے پر فائز ہوتا ہے اور صفائی وستھرائی کے اعلی معیار پر قائم ہوتا ہے جس کے بدولت وہ اللہ کے اور بندوں کی نظروں میں محبوب ہو جاتا ہے اور وہ چند ایک ہیں جن کی تفصیل درج ذیل سطور میں کچھ یوں ہے۔

## ا۔ مسواک کرنا

☆مسواک کی لغوی تعریف: دانت کا ملنا یا دانت ملنے کا آلہ۔

☆مسواک کی اصطلاحی تعریف: مسواک اس لکڑی (پیلو، زیتون یا نیم کی ٹہنی) یا اس جیسی چیز (جیسے برش وغیرہ) کو کہتے ہیں جسے دانت یا مسوڑھے کی زردی اور بدبو و میل کچیل مٹانے کی خاطر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ منہ کی صفائی اور رب کی رضا کا اچھا نسخہ ہے۔

مسواک کرنے کا طریقہ:

آدمی اپنے دائیں یا بائیں ہاتھ سے مسواک پکڑے، اور اسے اپنے مسوڑھوں اور دانتوں پر پھرائے، اور منہ میں دائیں جانب سے بائیں جانب لے جائے، اور کبھی کبھی زبان کے کنارے بھی مسواک رگڑے۔

مسواک کرنے کے مستحب اوقات:

مسواک کرنا ہر وقت مسنون ہے اور بالخصوص ہر وضو کے وقت اور ہر نماز کے وقت، اور قرآن کی تلاوت کرتے وقت، اور گھر میں داخل ہونے کے وقت، اور جب رات میں سو کر اٹھے یا جب اپنے منہ کی بدبو محسوس کرے تب جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «لَوْلا أَنْ أَشُقَّ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَفِي حَدِيثِ زُهَيْرٍ عَلَى أُمَّتِي لأَمَرْتُهُمْ بِالسِّوَاكِ عِنْدَ كُلِّ صَلاةٍ» ''اگر مجھے یہ ڈر نہ ہوتا کہ میں مسلمانوں کو مشقت و پریشانی میں ڈال دوں گا تو میں ان کو حکم دیتا کہ وہ ہر صلاۃ کے وقت مسواک کیا کریں'' (زھیر کی حدیث میں ''عَلَى الْمُؤْمِنِينَ'' کے بجائے ''علی امتی'' کے الفاظ ہیں) (صحیح البخاری، ۸۸۷، مسلم: ۲۵۲)

مسواک کرنے کی فضیلت:

☆ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «السواك مطهرة للفم مرضاة للرب» ''مسواک کرنا منہ کی صفائی اور رب کی خوشنودی کا ذریعہ ہے'' (صحیح الترغیب: ۴۰۹)۔

مسواک کے متعلق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول:

☆حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب رات کو اٹھتے تو مسواک کرتے ۔(صحیح البخاری:۲۴۵، صحیح مسلم:۲۵۵)

☆شریح رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول مکرم ﷺ جب گھر میں داخل ہوتے تو سب سے پہلے کیا کام کرتے، تو ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ ﷺ مسواک کرتے تھے(صحیح مسلم:۲۵۳)

## ۲۔ختنہ کرانا

ختنہ کی تعریف: عضو تناسل کے سپاری ڈھانپنے والے چمڑے کے کاٹنے کو ختنہ کہتے ہیں۔

ختنہ کا حکم: ختنہ مردوں پر واجب ہے اور عورتوں کے لئے سنت ہے۔

ختنہ کے فوائد: یہ رسول اللہ ﷺ کے حکم کی اتباع اور ابراہیم علیہ السلام کے سنت کی پیروی ہے، مسلمان کی پہچان ہے اور عضو تناسل میں جمع ہونے والی میل و کچیل اور پیشاب جیسی چیزوں کے جمع ہونے سے صفائی ہے۔

## ۳۔ مونچھ کاٹنا اور داڑھی بڑھانا

داڑھی بڑھانے، اسے چھوڑے رکھنے، اسے معاف کرنے اور مونچھ کاٹنے کے متعلق متعدد احادیث وارد ہوئی ہیں جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «خَالِفُوا الْمُشْرِكِينَ، وأَحْفُوا الشَّوَارِبَ وَأَوْفُوا اللِّحَى» ''تم لوگ مشرکوں کی مخالفت کرو، مونچھیں کترو اور داڑھیاں چھوڑو'' (صحیح البخاری:۵۸۹۲، صحیح مسلم:۲۵۹)

داڑھی چھوڑنے اور مونچھ کترنے میں حسن و جمال اور مردانگی کا مظہر ہے اور اس کے برعکس عمل پر نبی کریم ﷺ کی ہدایت کی مخالفت اور اللہ اور اس کے رسول کے دشمنوں کی تقلید، مردانگی کے اعلی معیار کا ضیاع اور عورتوں کی شناخت ہے جیسا کہ ایک شاعر نے کہا:

وما عجب أن النساء ترجلت ولكن تأنيث الرجال عجيب

تعجب خیز بات یہ نہیں کہ عورتوں نے مردوں کا بھیس اپنایا، لیکن عجوبہ تو یہ ہے کہ مرد عورت بن گئے۔

**۴۔ناف کے نیچے کا بال چھیلنا، بغل کا بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور انگلیوں کے جوڑوں کو دھونا:**

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْفِطْرَةُ خَمْسٌ أَوْ خَمْسٌ مِنْ الْفِطْرَةِ الْخِتَانُ وَالاسْتِحْدَادُ وَتَقْلِيمُ الأَظْفَارِ وَنَتْفُ الإِبطِ وَقَصُّ الشَّارِبِ» ''پیدائشی سنتیں پانچ ہیں، یا پانچ چیزیں پیدائشی سنت میں سے ہیں: ختنہ کرانا، زیر ناف کے بال مونڈنا، بغل کا بال اکھاڑنا، ناخن کاٹنا اور مونچھ کاٹنا''۔(صحیح البخاری: ۵۸۸۹، صحیح مسلم: ۲۵۷)

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «عَشْرٌ مِنْ الْفِطْرَةِ قَصُّ الشَّارِبِ وَإِعْفَاءُ اللِّحْيَةِ وَالسِّوَاكُ وَاسْتِنْشَاقُ الْمَاءِ وَقَصُّ الأَظْفَارِ وَغَسْلُ الْبَرَاجِمِ وَنَتْفُ الإِبطِ وَحَلْقُ الْعَانَةِ وَانْتِقَاصُ الْمَاءِ» ''دس باتیں پیدائشی سنت ہیں مونچھیں کاٹنا۔ داڑھی بڑھتے رہنے دینا، مسواک کرنا، ناک میں پانی ڈال کر چھینکنا، ناخن کاٹنا، انگلیوں کا پور پور دھونا، بغل کے بال اکھیڑنا، ناف کے نیچے کے بال مونڈ دینا، پانی بہانا یعنی: استنجا کرنا (یا وضو کے بعد شرم گاہ پر پانی کے چھینٹے مارنا)''۔(صحیح مسلم: ۲۶۱)

## ۵۔سر کا بال درست کرنا

اس میں تیل لگانا اور کنگھی کرنا البتہ سر کے بالوں کا کچھ حصہ مونڈانا اور کچھ چھوڑ دینا مکروہ ہے اور اگر کفار کی مشابہت اختیار کی جائے تو حرام ہے۔

## ۶۔بال کو مہندی وغیرہ سے رنگنا

جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس فتح مکہ کے دن ابو قحافہ کو لایا گیا ان کے سر اور داڑھی کے بال ثغامہ (سفید پھولوں والا ایک درخت) کی طرح سفید تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «غَيِّرُوا هَذَا بِشَيْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ» ''اس کو کسی چیز سے بدل دو البتہ کالے خضاب سے بچنا''۔(صحیح مسلم: ۲۱۰۲)

### صفائی وستھرائی کی مدت

انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے مونچھ کا بال کاٹنے، ناخن کاٹنے، بغل کا بال اکھاڑنے، ناف کے نیچے کا بال مونڈنے کے لئے وقت مقرر کیا گیا ہے وہ یہ کہ ہم چالیس دنوں سے زیادہ اسے نہ چھوڑیں۔ (صحیح مسلم:٢٥٨)

## وضو کا بیان

وضو کی لغوی تعریف: وضو مصدر ہے جو وضاءۃ سے ماخوذ ہے جس کا معنی خوبصورتی ونظافت ہے۔

وضو کی شرعی تعریف: تعبد الہی کی خاطر مخصوص انداز میں مخصوص اعضائے جسم کو پاک پانی سے دھونا۔

### وضو کی فضیلت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فجر کے وقت پوچھا:

«يَا بِلالُ حَدِّثْنِي بِأَرْجَى عَمَلٍ عَمِلْتَهُ فِي الإِسْلامِ فَإِنِّي سَمِعْتُ دَفَّ نَعْلَيْكَ بَيْنَ يَدَيَّ فِي الْجَنَّةِ» قَالَ: مَا عَمِلْتُ عَمَلا أَرْجَى عِنْدِي أَنِّي لَمْ أَتَطَهَّرْ طَهُورًا فِي سَاعَةِ لَيْلٍ أَوْ نَهَارٍ إِلا صَلَّيْتُ بِذَلِكَ الطُّهُورِ، مَا كُتِبَ لِي أَنْ أُصَلِّيَ» ''اے بلال! مجھے اپنا سب سے زیادہ امید والا نیک کام بتاؤ جسے تم نے اسلام لانے کے بعد کیا ہے کیوں کہ میں نے جنت میں اپنے آگے تمہارے جوتوں کی چاپ سنی ہے؟۔ بلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں نے تو اپنے نزدیک اس سے زیادہ امید کا کوئی کام نہیں کیا کہ جب میں نے رات یا دن میں کسی وقت بھی وضو کیا تو میں اس کے بعد وضو سے نفل صلاۃ پڑھتا رہتا جتنی میری تقدیر میں لکھی گئی تھی''۔ (صحیح البخاری:١١٤٩، مسلم:٢٤٥٨)

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«إِذَا تَوَضَّأَ الْعَبْدُ الْمُسْلِمُ أَوْ الْمُؤْمِنُ فَغَسَلَ وَجْهَهُ خَرَجَ مِنْ وَجْهِهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ نَظَرَ إِلَيْهَا بِعَيْنَيْهِ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ يَدَيْهِ خَرَجَ مِنْ يَدَيْهِ كُلُّ خَطِيئَةٍ كَانَ بَطَشَتْهَا يَدَاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ فَإِذَا غَسَلَ رِجْلَيْهِ خَرَجَتْ كُلُّ

خَطِيئَةٍ مَشَتْهَا رِجْلاهُ مَعَ الْمَاءِ أَوْ مَعَ آخِرِ قَطْرِ الْمَاءِ حَتَّى يَخْرُجَ نَقِيًّا مِنْ الذُّنُوبِ» ''جب مسلمان بندہ یا مومن بندہ (یہ شک ہے راوی کا) وضو کرتا ہے اور منہ دھوتا ہے تو اس کے منہ کے وہ سارے گناہ جنھیں اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا پانی کے ساتھ بہہ جاتے ہیں، یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ (یہ بھی راوی کو شک ہے) اور جب ہاتھ دھوتا ہے، تو اس کے ہاتھوں کا ہر (چھوٹا) گناہ جن کا اس کے ہاتھوں نے ارتکاب کیا ہو۔ پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنے پیر دھوتا ہے تو اس کے پیروں کا ہر گناہ جو اس نے چل کر کیے تھے پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ نکل جاتے ہیں، یہاں تک کہ (جب وہ وضو سے فارغ ہوتا ہے تو وہ) گناہوں سے پاک وصاف ہو کر اٹھتا ہے''۔ (صحیح مسلم: ٢٤٤)

## نیت کی اہمیت

عمل کی صحت، اس کی قبولیت اور اس پر بدلہ ملنے کے لئے نیت شرط ہے، نیت کی جگہ دل ہے نیت ہر عمل میں ضروری ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى» ''بیشک تمام اعمال کا دار و مدار نیت پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ہی ملے گا'' (البخاری: ١، مسلم: ١٩٠٧)

### شریعت میں نیت کا مطلب:

شریعت میں نیت کا مطلب ہے اللہ سے قربت حاصل کرنے کے لئے عبادت کی ادائیگی کا عزم کرنا۔

نیت کی دو قسمیں ہیں:

١۔ عمل کی نیت: وضو یا غسل یا نماز وغیرہ کی نیت کرے۔

٢۔ جس کے لئے عمل کیا جائے اس کی نیت: وضو یا غسل یا نماز وغیرہ کے ذریعے صرف اللہ سے قربت حاصل کرنے کی نیت کرے، اور یہ دوسری قسم پہلی قسم سے زیادہ اہم ہے۔

### قبولیت عمل کی شرط:

عمل کے قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں:

۱۔ایک یہ کہ وہ عمل خالص اللہ کے لئے ہو۔

۲۔دوسرے یہ کہ اس کو ایسے ہی کیا جائے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے۔

اخلاص کا معنی:

اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ بندے کے اعمال ظاہر و باطن میں یکساں اور صرف اللہ کے لئے ہوں اور اخلاص میں صدق کا مطلب ہے کہ اس کا باطن اس کے ظاہر سے زیادہ آباد ہو، بندہ جب اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کے دل کو زندہ کر دیتا ہے اس کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے، پھر وہ نیک کاموں سے محبت کرنے لگتا ہے اور معاصی سے نفرت کرنے لگتا ہے برخلاف اس دل کے جس میں اخلاص نہ ہو تو وہ شوق وطلب اور چاہت بلکہ بسا اوقات سرداری ودرہم ودینار کا دلدادہ ہو جاتا ہے۔

## وضو کی شرطیں

وضو کی درج ذیل آٹھ شرطیں ہیں

۱۔اسلام۔کافر کا وضو صحیح نہیں ۲۔ عقل۔پاگل کا وضو صحیح نہیں ۳۔ تمیز۔چھوٹا بچہ جو تمیز نہ کر پائے

۴۔نیت۔غیر نیت کے وضو صحیح نہیں جیسے ٹھنڈی حاصل کرنے یا نجاست زائل کرنے کے لئے دھلے ۵۔پاک پانی۔ناپاک پانی سے وضو صحیح نہیں۔ ۶۔جائز پانی۔غصب کئے گئے پانی یا غیر شرعی طریقے سے حاصل کئے گئے پانی سے وضو درست نہیں۔ ۷۔وضو سے پہلے استنجاء ہوا ہو۔

۸۔چمڑے تک جو چیز پانی پہنچنے کے لئے مانع ہو اسے زائل کرنا جیسے نیل پالش، مٹی ،پینٹ وغیرہ۔

## وضو کے فرائض

۱۔چہرہ دھونا یعنی پیشانی کے اوپر جہاں سے اصل میں بال اگتے ہیں وہاں سے ٹھوڑی کے اختتام تک اور ایک کان کی جڑ سے دوسری کان کی جڑ تک دھونا جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

﴿فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ﴾ ''اور اپنے چہرے دھوئے'' اور اسی میں میں کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا بھی ہے کیونکہ منہ اور ناک یہ چہرے کا حصہ ہے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک دھونا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ﴾ ''اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں تک دھوؤ''۔

۳۔ سر کا مسح کرنا یعنی پیشانی کے بالوں سے گدی تک جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَٱمۡسَحُواْ بِرُءُوسِكُمۡ﴾ ''اور اپنے سروں کا مسح کرو'' اس میں دونوں کانوں کا مسح بھی ہے کیونکہ یہ بھی سر کا حصہ ہے۔

۴۔ دونوں پیروں کو ٹخنوں تک دھونا جیسا کہ اللہ نے فرمایا: ﴿وَأَرۡجُلَكُمۡ إِلَى ٱلۡكَعۡبَيۡنِ﴾ ''اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھوؤ''۔(المائدۃ:٦)

۵۔اعضائے سابقہ کے درمیان ترتیب کا خیال رکھنا جیسا کہ قرآن کی آیت میں اس کی ترتیب ہے۔

٦۔اعضاء کو پے در پے دھونا یعنی طویل وقفہ یا انقطاع نہ ہو۔

## وضو کی سنتیں و مستحبات:

ا۔بسم اللہ کہنا ۲۔ مسواک کرنا، ۳۔ دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھونا، ۴۔ چہرہ دھونے سے پہلے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا، ۵۔ گھنی داڑھی میں خلال کرنا، ٦۔ داہنے اعضا کو پہلے دھونا، ۷۔ دو اور تین مرتبہ دھونا، ۸۔ وضو کے بعد دعا پڑھنا، ۹۔ اور وضو کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا۔

## وضو میں استعمال ہونے والے پانی کی مقدار

وضو میں سنت یہ ہے کہ تین مرتبہ سے زیادہ اعضاء نہ دھوئے اور ایک مد (625 گرام) سے وضو کرے اور زیادہ پانی نہ خرچ کرے، اور جس نے زیادہ پانی خرچ کیا اس نے غلط کام کیا اور حد سے تجاوز کیا۔

## آداب وضو:

جو شخص نیند سے بیدار ہو اور برتن سے وضو کرنا چاہے وہ اپنی ہتھیلی تین مرتبہ دھولے اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَإِذَا اسْتَيْقَظَ أَحَدُكُمْ مِنْ نَوْمِهِ فَلْيَغْسِلْ يَدَهُ قَبْلَ أَنْ يُدْخِلَهَا فِي وَضُوئِهِ فَإِنَّ أَحَدَكُمْ لا يَدْرِي أَيْنَ بَاتَتْ يَدُهُ» ''جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو تو وہ اپنا ہاتھ برتن میں اس وقت تک نہ ڈالے جب تک کہ اسے تین مرتبہ نہ دھولے اس لئے کہ وہ نہیں جانتا ہے کہ اس کے ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے'' ۔(صحیح البخاری: ١٦٢، صحیح مسلم: ٢٧٨)

## کامل وضو کا طریقہ

آدمی وضو کی نیت کرے، پھر بسم اللہ کہے، پھر اپنی دونوں ہتھیلیوں کو تین مرتبہ دھوئے، پھر ایک ہی ہتھیلی سے کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے، ہتھیلی کا آدھا پانی منہ میں ڈالے اور آدھا ناک میں ڈالے وہ ایسا تین مرتبہ چلو میں کرے، پھر اپنا چہرہ تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنا دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین مرتبہ دھوئے، پھر اپنے دونوں ہاتھوں سے ایک مرتبہ سر کے اگلے حصے سے پچھلے حصے تک مسح کرے، پھر دونوں ہاتھوں کو اسی جگہ لوٹائے جہاں سے شروع کیا تھا، پھر اپنی شہادت کی دونوں انگلیوں کو دونوں کانوں کے اندر داخل کرے اور دونوں انگوٹھوں سے کان کے اوپر مسح کرے، پھر اپنا دایاں پیر ٹخنوں سمیت تین مرتبہ دھوئے، پھر بایاں پیر بھی اسی طرح دھوئے، پھر وہ دعا پڑھے جو حدیث میں آئی ہے اس کا بیان ان شاء اللہ آگے آئے گا۔

## نبی مکرم ﷺ کے وضو کی کیفیت

عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام حمران کہتے ہیں کہ انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو دیکھا انہوں نے ایک برتن (میں پانی) منگایا، انہوں نے اپنی ہتھیلیوں پر تین مرتبہ پانی ڈالا، پھر کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، پھر اپنا منھ تین مرتبہ دھویا اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دونوں پیروں کو ٹخنوں تک تین مرتبہ دھویا، پھر کہنے لگے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هَذَا ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ لا يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ» ''جس نے میرے اس وضو کی طرح وضو کیا پھر دو رکعت نماز پڑھی (تحیۃ الوضو) جس کے دوران اس کے دل میں کسی قسم کا دنیاوی خیال نہ آیا ہو تو اس کے اگلے گناہ بخش دیئے جائیں گے''۔(البخاری:۱۵۹، مسلم: ۲۲۶)

☆رسول اللہ ﷺ سے یہ ثابت ہے کہ آپ نے ایک ایک بار، دو دو بار اور تین تین بار اور ہاتھوں کو دو، دو بار اور پیروں کو ایک ایک بار دھویا ہے یہ سب سنت ہے، آدمی کو چاہئے کہ کبھی یہ کرے کبھی وہ کرے تاکہ سنت زندہ ہو جیسا کہ متعدد حدیثوں میں یہ کیفیت مذکور ہے: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے وضو میں ایک ایک بار اعضائے وضو کو دھویا۔(صحیح البخاری:۱۵۷)

ایک دوسری حدیث میں عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو میں اعضاء کو دو دو بار دھویا۔(صحیح البخاری:۱۸۵)

۳۔ عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے: «أنّ النبي ﷺ توضأ ثلاثًا ثلاثًا» ''نبی مکرم ﷺ نے اعضائے وضو کو تین تین بار دھویا'' (صحیح مسلم:۲۳۰)

کامل وضو کرنے کا مفہوم:

اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: «إِنَّهَا لا تَتِمُّ صَلاةُ أَحَدِكُمْ حَتَّى يُسْبِغَ الْوُضُوءَ كَمَا أَمَرَهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ» ''تم میں کسی کی کامل نماز اس وقت نہیں ہوگی جب تک کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق کامل وضو نہ کرے''(سنن أبي داود:۸۵۸)

کامل وضو کرنے کا قطعا یہ مطلب نہیں کہ بہت زیادہ پانی انڈیلا جائے۔ بلکہ حسب ضرورت پانی استعمال کرتے ہوئے تمام اعضائے وضو تک پانی پہنچایا جائے اور اس کا کوئی جز خشک نہ رہے کیونکہ ناخن کے مقدار میں بھی سوکھا رہ گیا تو وضو نہ ہوگا۔(صحیح مسلم:۵۵۷)

اور وضو و نماز دونوں باطل ہو جائیگی(ابو داود:۱۵۷)بلکہ مستحق عذاب بھی ہو جائے گا۔(صحیح البخاری:۱۶۵، صحیح مسلم:۵۷۲)

## دائیں اور بائیں جانب کو مقدم کرنے کی جگہیں:

انسان کے افعال کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ایک دائیں اور بائیں کے درمیان مشترک ہے، پس اگر کرامت والا معزز عمل ہے جیسے وضو کرنا، غسل کرنا ،لباس پہننا، جوتا پہننا، مسجد اور گھر میں داخل ہونا وغیرہ تو دائیں سے شروع کرے، اور اگر کرامت والا عمل نہیں ہے تو بائیں سے شروع کرے جیسے مسجد سے نکلنا، جوتا نکالنا، بیت الخلاء میں جانا وغیرہ۔

۲۔دوسرا ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ خاص ہے پس اگر وہ کرامت کے باب میں سے ہے تو دائیں ہاتھ سے کرے جیسے کھانا، پینا، مصافحہ کرنا، لینا دینا وغیرہ اور اگر وہ کرامت کے باب میں سے نہیں ہے تو بائیں ہاتھ سے شروع کرے جیسے استنجاء کرنا، شرم گاہ چھونا، ناک سے رینٹ صاف کرنا وغیرہ۔

جیسا کہ ایک حدیث ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہتی ہیں کہ نبی ﷺ کو ہر کام دائیں طرف سے شروع کرنا اچھا لگتا تھا، جوتا پہننے میں، کنگھی کرنے میں اور طہارت حاصل کرنے میں۔(صحیح البخاری:۱۶۸، صحیح مسلم:۲۶۸)

☆وضو سے فارغ ہونے کے بعد شرم گاہ پر پانی کا چھینٹا مارے اور کسی کپڑے یا رومال سے اعضاء وضو کو پونچھ لے۔

## وضو کے بعد کی دعا:

(ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے وضو کیا پھر یہ کہا: «سبحانك اللهم وبحمدك لاإله إلا أنت استغفرك وأتوب إليك» ”تو ایک کاغذ میں اس کا یہ عمل لکھا جائے گا جس پر مہر لگا دی جائے گی اور وہ مہر قیامت کے دن تک نہیں توڑی جائے گی“ (نسائی فی عمل الیوم واللیلۃ: ۸۱،الطبرانی فی الاوسط/۱۴۷۸، ملاحظہ ہو: السلسلۃ الصحیحۃ:۲۲۳۳)

ایک دوسری حدیث جو عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ دعا سکھائی:

«مَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ يَتَوَضَّأُ فَيُبْلِغُ أَوْ فَيُسْبِغُ الْوَضُوءَ ثُمَّ يَقُولُ: أَشْهَدُ أَنْ لا إِلَهَ إِلا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُ اللَّهِ وَرَسُولُهُ إِلا فُتِحَتْ لَهُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةُ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ»

''جو شخص وضو مکمل ہونے کے بعد یہ دعا پڑھے گا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں تو اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے کہ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے'' (صحیح مسلم: ٢٣٤)

## وضو میں چار اعضاء دھونے کی حکمت:

اصل حکمت کا علم تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن ظاہری طور پر جو علم حاصل ہوتا ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب میں یہ دیگر اعضا کے مقابلے میں زیادہ متحرک وپیش پیش رہتے ہیں، لہذا ان کی ظاہری طہارت کا حکم ان کی باطنی طہارت کا پتہ دیتا ہے، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں اس کی وضاحت ہے کہ جب ایک مسلمان اعضائے وضو کو دھوتا ہے تو اس سے سرزد ہونے والے گناہ پانی کے ساتھ یا اس کے آخری قطرے کے ساتھ دھل جاتے ہیں، پھر اس کے بعد نبی مکرم ﷺ نے دعائے وضو کا حکم فرما کر ایمان کی تجدید فرمائی جس کا اشارہ ہے کہ بندے کو ظاہری و باطنی دونوں گندگیوں سے پاک کر دیا جائے لہذا اعضاء کے دھونے سے ظاہری پاکی اور شہادتیں سے باطنی (شرک سے) پاکی حاصل ہو جائے اس لئے جب ظاہری طہارت وضو سے اور باطنی طہارت توبہ و توحید سے حاصل ہو جائے تو بارگاہِ رب میں حاضری اور اس کے روبرو مناجات کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔

## وضو میں واقع ہونے والی چند غلطیاں

١۔ الفاظ کے ساتھ نیت کرنا بدعت ہے (الفتاوی الکبری: ٢١٤/١)

٢۔ وضو سے پہلے استنجاء کو واجب سمجھنا بے بنیاد ہے۔

٣۔ بسم اللہ کے ساتھ الرحمن الرحیم کا اضافہ درست نہیں (المغنی لابن قدامہ ١١٥/١)

٤۔ کانوں کے مسح کے لئے نیا پانی لینا حدیث سے ثابت نہیں (زاد المعاد: ١٩٥/١)

۵۔ گردن کا مسح کرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں(مجموع الفتاوی: ۱۲۷/۲۱)

۶۔وضو سے فارغ ہونے کے بعد آسمان کی طرف دیکھنا اور انگلی اٹھانا کسی بھی صحیح حدیث سے ثابت نہیں بلکہ ابو داؤد والی روایت ضعیف ہے(ضعیف ابوداود: ۳۱)

۷۔وضو کے دوران اعضاء دھوتے ہوئے یا مسح کرتے ہوئے نبی کریم ﷺ سے کوئی دعا ثابت نہیں اور اس بارے میں جتنی دعائیں بیان کی جاتی ہیں وہ بدعت ہیں(فتاوی اللجنۃ الدائمۃ: ۲۰۵/۵)

۸۔ضرورت سے زیادہ پانی استعمال کرنے کی ممانعت۔(ابن ماجہ: ٤٢٥)

## موزوں، جرابوں اور پٹیوں پر مسح کا بیان

**مسح کی تعریف:** تعبد الٰہی کے خاطر مخصوص انداز میں موزوں پر ہاتھ پھیرنا۔

**مسح کی مشروعیت:** بندوں پر آسانی کی خاطر اللہ نے مقیم و مسافر لوگوں کو موزوں، پگڑیوں پر مسح کرنا مشروع قرار دیا، تاکہ وضو کرنے والے ان کے نکالنے کی مشقت و دشواریوں سے بچ سکیں کیونکہ اللہ نے اس دین کو آسانی و سہولت کا دین بنایا ہے، موزوں پر مسح کی مشروعیت اللہ کے رسول اور صحابہ کرام سے عملاً ثابت ہے، جیسا کہ بلال رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں: «مَسَحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ وَالْخِمَارِ» ''رسول اللہ ﷺ نے موزوں اور پگڑی پر مسح کیا'' (صحیح مسلم: ۲۷۵)

اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مسح کے متعلق اللہ کے نبی ﷺ سے چالیس (٤٠) حدیثیں مروی ہیں۔(اعلام بفوائد عمدۃ الاحکام: ٦١٥/١)

### موزوں پر مسح کا حکم:

یہ رخصت ہے، موزہ پر مسح کرنا اس کے نکالنے اور پیر دھونے سے افضل ہے، اس میں نبی ﷺ کی اقتدا اور اہل بدعت کی مخالفت ہے، آپ ﷺ کا معمول تھا کہ جب آپ کے پیر بلا موزے کے ہوتے تو انہیں دھوتے اور جب آپ موزے پہنے ہوتے تو اس پر مسح کرتے۔

## مقیم اور مسافر کے لئے مسح کرنے کی مدت:

مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات موزوں پر مسح کرنا جائز ہے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: «جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلاثَةَ أَيَّامٍ وَلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَلَيْلَةً لِلْمُقِيمِ » ''رسول اللہ ﷺ نے مسافر کو تین دن اور تین رات، مقیم کو ایک دن اور ایک رات موزوں پر مسح کرنے کی اجازت دی ہے'' ۔(صحیح مسلم:٢٧٦)

☆ مسح کی مدت کی شروعات موزہ پہننے کے بعد پہلی بار مسح کرنے سے ہوگی۔

## موزوں پر مسح کرنے کی شرطیں:

۱۔جو موزہ پہنا جائے وہ مباح اور پاک ہو، ۔اور طہارت (وضو) کی حالت میں پہنا گیا ہو، ۔اور مسح حدث اصغر میں ہوگا، ۔اور اس مدت میں کیا جائے گا جو مقیم یا مسافر کے لئے مقرر کی گئی ہے اسے اتارا نہ ہو، ۔موزے اس حصے کو ڈھانکے ہوں جس کا دھونا ضروری ہے۔

## موزوں پر مسح کرنے کا طریقہ:

آدمی پانی سے اپنا ہاتھ بھگوئے، پھر اپنے دائیں ہاتھ سے دائیں پیر کے موزے کے اوپری حصہ پر اپنی انگلیوں سے پنڈلی تک ایک ہی مرتبہ مسح کرے، موزے کے نچلے حصے پر اور پیچھے مسح کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور بائیں ہاتھ سے بائیں موزہ پر اسی طرح مسح کرے۔

## موزوں پر مسح مندرجہ ذیل چیزوں سے باطل ہو جاتا ہے:

۱۔جب پیر سے موزہ نکال لیا جائے۔ ۲۔جب غسل لازم ہو جائے، جیسے غسل جنابت۔

۳۔جب مسح کی مدت پوری ہو جائے۔

☆لیکن مدت ختم ہونے کے بعد وضو اسی حالت میں ٹوٹے گا جب نواقض وضو میں سے کوئی چیز لاحق ہو جائے۔

# پگڑی اور دوپٹے پر مسح کی کیفیت

پگڑی پر مسح کرنا جائز ہے، اور ضرورت کے وقت عورت اپنے دوپٹہ پر مسح کر سکتی ہے، اور اس میں وقت کی کوئی قید نہیں ہے۔

☆ پگڑی یا دوپٹہ کے اکثر حصہ پر مسح کیا جائے، اور افضل یہ ہے کہ ان کو طہارت کی حالت میں پہنا جائے جیسا کہ عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پگڑی اور موزوں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔ (صحیح البخاری: ۲۰۵)

☆ موزہ، پائتابہ، جوتا، پگڑی اور دوپٹے پر مسح حدث اصغر میں ہے، جیسے پیشاب، پائخانہ، نیند وغیرہ اور مدت مسح میں جنبی ہو جائے تو پھر اس پر مسح نہیں کر سکتا بلکہ اپنا پورا بدن دھوئے۔

## پٹی پر مسح کی کیفیت:

ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کی لکڑی یا پٹی پر اس کے کھولنے تک مسح جائز ہے اگرچہ مدت لمبی ہو جائے یا اسے جنابت لاحق ہو یا اسے طہارت کی حالت میں نہ پہنا ہو اور اگرچہ اس کے بعض جزء ہی پر مسح ہو تب بھی کافی ہے۔

☆ زخم اگر کھلا ہو تو پانی سے اس کا دھونا واجب ہے، اور اگر نقصان کا اندیشہ ہو تو پانی سے اس پر مسح کرے اور اگر پانی سے مسح کرنا دشوار ہو تو تیمم کرے اور اگر زخم چھپا ہوا ہو تو پانی سے اس پر مسح کرے، اور اگر ایسا کرنا دشوار ہو تو تیمم کرے۔

اس مسافر کے لئے مسح کی مدت کی کوئی تحدید نہیں جس کے لئے موزہ بار بار پہننا اور نکالنا دشوار ہو مثلا مسلمانوں کی ڈاک ڈھونے والے، یا کسی ہنگامی صورت (ایمر جنسی) میں لوگوں کے بچاؤ کے خاطر کام کرنے والے۔

# وضو کو توڑنے والی چیزیں

وضو کے شروط اور اس کے فرائض و سنن اور مکمل کیفیت کی معرفت کے بعد اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان چیزوں کی بھی معرفت حاصل کر لی جائے جن سے یا تو وضو فاسد ہو جاتا ہے یا ٹوٹ جاتا ہے اور ایسا نہ ہو کہ بندہ اسی حالت میں عبادت کرتا رہے اور اس کی ساری عبادتیں رائیگاں اور بیکار ہو جائیں اور وہی چیزیں جو وضو کو برباد کرتی ہیں ان کے چند نام ہیں، مثلاً مفسدات، نواقض اور مبطلات اور یہ عموماً پیشاب اور پاخانے دونوں کے راستے نکلنے والی چیزیں ہوتی ہیں، اس لئے ان کی تفصیلات درج ذیل سطور میں لکھی جا رہی ہیں۔

وضو مندرجہ ذیل چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے:

۱۔ دونوں راستوں سے نکلنے والی چیزیں مثلاً پیشاب، پاخانہ، ہوا، منی، مذی اور خون وغیرہ جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «لاتُقْبَلُ صَلاةُ مَنْ أَحْدَثَ حَتَّى يَتَوَضَّأَ» ''اللہ تعالی تم میں سے کسی کی نماز قبول نہیں فرماتا جبکہ اسے حدث لاحق ہو، جب تک کہ وہ وضو نہ کر لے'' (صحیح البخاری: ۱۳۵، صحیح مسلم: ۲۲۵)

۲۔ وہ گہری نیند جس سے عقل زائل ہو جائے یا جب آدمی بیہوش ہو جائے یا نشہ میں ہو جائے جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «الْعَيْنُ وِكَاءُ السَّهِ، فَمَنْ نَامَ فَلْيَتَوَضَّأْ» آنکھیں دبر کا تسمہ ہیں لہذا جو سو جائے وہ وضو کرے (صحیح ابن ماجہ: ٤٨٦) حسن)۔

۳۔ بلا حائل آدمی اپنا ذکر (عضو تناسل) چھوئے یا عورت اپنا فرج (شرم گاہ) چھوئے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ مَسَّ ذَكَرَهُ فَلْيَتَوَضَّأْ» ''جس شخص نے اپنا آلہ تناسل چھوا وہ وضو کرے'' (سنن ابی داود: ۱۸۱، صحیح)

۴۔ ہر وہ چیز جس سے غسل واجب ہوتا ہے جیسے جنابت، حیض اور نفاس۔

۵۔ اگر مرتد ہو جائے۔

٦۔اگر اونٹ کا گوشت کھائے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کیا بکری کا گوشت کھانے کے بعد (نئے طریقے سے) وضو کرنا ضروری ہے ؟آپ نے فرمایا: «إِنْ شِئْتَ فَتَوَضَّأْ وَإِنْ شِئْتَ فَلا تَوَضَّأْ قَالَ أَتَوَضَّأُ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ قَالَ نَعَمْ، فَتَوَضَّأْ مِنْ لُحُومِ الإِبِلِ» ''اگر تم وضو کرنا چاہو تو کرو، اور اگر نہ کرنا چاہو تو نہ کرو، اس نے کہا: کیا اونٹ کے گوشت سے وضو کیا جائے گا؟آپ نے فرمایا: ہاں تم اونٹ کے گوشت سے وضو کرو''۔(صحیح مسلم: ٣٦٠)

**طہارت میں شک ہونے پر کب وضو کرے:**

جس کو طہارت کے بارے میں یقین ہو، اور حدث کے بارے میں شک ہو، وہ یقین پر بنا کرے اسے وضو کرنے کی ضرورت نہیں اور جیسے حدث پر یقین ہو اور طہارت میں شک ہو تو یقین پر اعتبار کرتے ہوئے دوبارہ وضو کرے گا جیسا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا وَجَدَ أَحَدُكُمْ فِي بَطْنِهِ شَيْئًا فَأَشْكَلَ عَلَيْهِ أَخَرَجَ مِنْهُ شَيْءٌ أَمْ لا فَلا يَخْرُجَنَّ مِنْ الْمَسْجِدِ حَتَّى يَسْمَعَ صَوْتًا أَوْ يَجِدَ رِيحًا» ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے پیٹ میں کچھ محسوس کرے، اور اسے یہ شبہ ہو کہ ہوا خارج ہوئی ہے یا نہیں تو مسجد سے اس وقت تک نہ نکلے جب تک کہ آواز نہ سن لے یا بدبو نہ محسوس کر لے''۔(صحیح مسلم: ٣٦٢)

**انسان کے بدن سے جو چیزیں نکلتی ہیں ان کی دو قسمیں ہیں :**

١۔پاک چیزیں: آنسو، رینٹ، تھوک، پسینہ، منی۔

٢۔ناپاک چیزیں: پاخانہ، پیشاب، مذی، ودی، وہ خون جو پیشاب یا پاخانہ کے راستے سے نکلے۔

**خون نکلنے کا حکم:**

اگر خون دونوں راستوں سے نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا لیکن اگر جسم کے بقیہ حصوں سے نکلے مثلاً ناک، دانت یا زخم وغیرہ سے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا خون کم ہو یا زیادہ لیکن اس کا دھونا ضروری ہے۔

## وضو کی مستحب صورتیں:

☆ قے کے بعد ☆ میت کو اٹھا کر لے جائے تو اس کے لئے وضو کرنا مستحب ہے ☆ اور ہر حدث کے وقت وضو کرنا مستحب ہے ☆ اور ہر نماز کے لئے اگر حدث لاحق نہ ہوا ہو تو وضو کرنا مستحب ہے ☆ لیکن اگر حدث لاحق ہو گیا ہو تو وضو کرنا واجب ہے۔

سونے کے وقت وضو کرنا سنت ہے ☆ اسی طرح جنبی کے لئے جب سونے یا کھانے کا ارادہ کرے ☆ یا دوبارہ جماع کرنا چاہے تو وضو کرنا سنت ہے۔

## نواقض وضو کے چند مسائل:

۱۔ سلسل بول (بیماری کی وجہ سے پیشاب کے راستے سے برابر پیشاب کا قطرہ ٹپکنا) میں مبتلا مرد و عورت ہر نماز کے لئے نیا وضو کریں گے اور اس نماز کے اوقات میں پوری نماز اور تلاوت قرآن سب کچھ بلا تامل ادا کریں گے اور یہی حکم گیسٹک کے مریض کا بھی ہے۔

۲۔ استحاضہ والی وہ عورت جسے ایام حیض کے علاوہ خون آتا رہے اس کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ ہر نماز کے لئے نئے وضو سے نماز قرآن کی تلاوت اور طواف کعبہ وغیرہ کر سکتی ہے

۳۔ صرف پیٹ میں گڑ گڑاہٹ کی وجہ سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ ہوا نکلنے یا بدبو کا احساس نہ ہو جائے۔

۴۔ اونٹنی کا دودھ پینے یا چائے وغیرہ پینے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۵۔ نکسیر (ناک کے راستے سے نکلنے والا خون) سے، پائیریا (مسوڑھوں کے خون) نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا نیز شرمگاہ کے علاوہ کہیں سے بھی خون کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

۶۔ معمولی اونگھ کسی بھی حالت میں ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا

۷۔ بیوی کا بوسہ لینے یا محض اسے چھونے سے نہ وضو ٹوٹتا اور نہ ہی روزے پر کوئی اثر پڑتا ہے۔

۸۔ قہقہہ سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ اس بارے میں وارد حدیث ضعیف اور نا قابل اعتبار ہے۔

۹۔شرمگاہ پر نظر پڑنے سے وضوپر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۱۰۔وضوکے بغیر تلاوت قرآن کر سکتاہے لیکن چھونے کے لئے باوضو ہوناضروری ہے۔

۱۱۔مردوں کاسونایاریشم چھونے سے یابدن میں الکوحل لگنے سے یاکسی کافرکابدن چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتاکیونکہ ان کی حرمت یانجاست معنوی ہے حسی نہیں۔

۱۲۔عورت کے سامنے کے شرمگاہ سے ہواخارج ہونے سے وضونہیں ٹوٹتا(تساولات حائرہ،ص: ١٦٤)

۱۳۔حیض کے ایام کے علاوہ عورت کے رحم (بچہ دانی)سے سفید یاکچھ زردی مائل دھات (پانی) کے نکلنے سے نہ عورت کووضوکی ضرورت ہوتی ہے اورنہ ہی کپڑے میں لگے ہوئے اس دھات کودھونے کی ضرورت ہے بلکہ فقہاء کی زبان میں اسے عورت کے شرمگاہ کی رطوبت کانام دیاگیاہے اوراس حالت سے شاید ہی کوئی عورت محفوظ ہو۔

۱۴۔جس جانور کاگوشت کھایاجائے اس کاپیشاب،گوبراور منی اور آدمی کامنی پاک ہے اسی طرح بلی کاجھوٹابھی پاک ہے۔

۱۵۔درندے،شکاری پرندے،گدھاخچر سب پاک ہیں اگروہ زندہ ہوں اوران کاجھوٹابھی پاک ہے البتہ ان کی لیداور خون نجس ہے۔

۱۶۔جسے حدث لاحق ہواس کے لئے نمازپڑھنااور مصحف چھونامنع ہے یہاں تک کہ وضوکرلے۔

۱۷۔ناقض وضوہونے میں مردوعورت کی شرمگاہ اور قبل ودبر میں کوئی فرق نہیں ہے۔

# غسل کا بیان

## غسل کی لغوی وضاحت:

غسل اگر غین پر زبر ہو تو یہ مصدر ہے جس کا معنی دھونا ہے اور اگر غسل کے غین پر پیش ہو تو اس کا معنی نہانا ہے۔

**غسل کی تعریف:** تعبد الٰہی کی خاطر پاک پانی سے مخصوص طریقے سے پورے بدن کے دھونے کو غسل کہتے ہیں۔

## غسل کو واجب کرنے والے امور:

۱۔ اگر منی اچھل کر لذت سے نکلے چاہے مرد کی منی ہو یا عورت کی، چاہے تنہا رہنے کی حالت میں نکلے، یا جماع کے وقت یا سونے کی حالت میں احتلام کی صورت میں نکلے۔ جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: ﴿ وَإِن كُنتُمْ جُنُبًا فَٱطَّهَّرُواْ ﴾ [المائدة: ٦] ''جب تم حالت جنابت میں ہو تو غسل کر لو''۔

۲۔ سپاری کے شرمگاہ کے اندر جانے سے گرچہ انزال نہ ہو جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِذَا جَلَسَ بَيْنَ شُعَبِهَا الأَرْبَعِ ثُمَّ جَهَدَهَا فَقَدْ وَجَبَ عَلَيْهِ الْغُسْلُ» ''آدمی جب چاروں شاخوں کے درمیان بیٹھے اور کوشش کرے، (جماع کرے) تو غسل واجب ہے''۔ (صحیح البخاری: ۲۹۱، صحیح مسلم: ۳٤)

اور ایک دوسری حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: «وَمَسَّ الْخِتَانُ الْخِتَانَ فَقَدْ وَجَبَ الْغُسْلُ» ''اور ختنہ ختنے سے مل جائے (یعنی ذکر فرج سے مل جائے) تو غسل واجب ہو جائے گا''۔

۳۔ جب مسلمان کی وفات ہو جائے (البتہ شہید کو غسل نہیں دیا جائے گا) جیسا کہ حدیث میں ہے: «اغْسِلُوهُ بِمَاءٍ وَسِدْرٍ» ''اسے پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل دو'' (صحیح البخاری: ۱۸٤۹، مسلم: ۲۰۹۲)

۴۔ جب کافر اسلام لائے جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''پانی اور بیر کے پتوں سے غسل کرو''۔ (صحیح ابوداود: ۳٤۲)

۵۔ حیض (ماہواری) ۶۔ نفاس (ولادت کے بعد کی ناپاکی) جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا:

﴿ فَٱعۡتَزِلُواْ ٱلنِّسَآءَ فِي ٱلۡمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقۡرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطۡهُرۡنَۖ فَإِذَا تَطَهَّرۡنَ فَأۡتُوهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ أَمَرَكُمُ ٱللَّهُۚ ﴾ [البقرة: ٢٢٢] ''حیض (کے دنوں) میں عورتوں سے الگ رہو اور پاک ہونے تک ان کے قریب نہ جاؤ ،جب پاک ہو جائیں، تو جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے جا سکتے ہو''۔

## کامل غسل کی کیفیت:

غسل کی دل سے نیت کرنا، پھر بسم اللہ کہہ کر اپنے ہاتھوں کو تین مرتبہ دھونا، پھر اپنی شرمگاہ دھونا، پھر کامل وضو کرنا، پھر اپنے سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا اور انگلیوں سے بال میں خلال کرنا، پھر اپنا بقیہ جسم ایک مرتبہ دھونا، اور دائیں جانب سے پہلے شروع کرنا، اور بدن کو ملنا اور ضرورت سے زیادہ پانی خرچ نہ کرنا۔

سنت یہ ہے کہ غسل کرنے سے پہلے نماز کے وضو کی طرح وضو کیا جائے، پس اگر کسی نے غسل کر لیا اور اس سے پہلے وضو نہیں کیا تو بعد میں وضو کرنا مشروع نہیں۔

## رسول اللہ ﷺ کے غسل کا طریقہ:

عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھ سے میری خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے جنابت سے غسل کرنے کا پانی رکھا، آپ ﷺ نے اپنی ہتھیلیوں کو دو یا تین مرتبہ دھویا، پھر اپنا ہاتھ برتن میں ڈالا، پھر اس سے شرمگاہ پر پانی ڈالا اور اپنے بائیں ہاتھ سے شرمگاہ کو دھویا، پھر اپنا بایاں ہاتھ زمین پر مارا اور اسے خوب رگڑا، پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کیا، پھر اپنے سر پر اپنی ہتھیلیاں بھر کر تین لپ پانی ڈالا، پھر اپنا پورا جسم دھویا، پھر وہاں سے ذرا ہٹ گئے، اور اپنا پیر دھویا، پھر میں آپ کے پاس رومال لائی آپ نے اسے واپس کر دیا۔ (صحیح البخاری: ٢٧٦، صحیح مسلم: ٣١٧)

## جنبی پر کون سا عمل حرام ہے:

☆نماز پڑھنا☆خانہ کعبہ کا طواف کرنا☆قرآن کریم کا چھونا☆مسجد میں بیٹھنا☆لیکن اگر وہاں سے راستے کے طور پر گزرے تو کوئی حرج نہیں۔

## جنبی کے سونے کی کیفیت:

حالت جنابت میں سونا جائز ہے لیکن یہ بہتر ہے کہ پہلے اپنے شرم گاہ دھولے اور وضو کرے، پھر سوئے، ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب جنابت کی حالت میں سونا چاہتے تو اپنی شرمگاہ دھوڈالتے، اور نماز کی طرح وضو کر لیتے۔(صحیح البخاری:۲۸۸، صحیح مسلم:۳۰۵)

## جنبی کیا کر سکتا ہے؟

۱۔مرد جنابت کا غسل اپنی عورت کے ساتھ ایک ہی برتن میں کر سکتا ہے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (دونوں مل کر) جنابت کی حالت میں ایک ہی برتن میں نہاتے۔ (صحیح البخاری: ۲۶۳، صحیح مسلم: ۳۲۱)

۲۔جس شخص نے اپنی بیوی سے جماع کیا ہو پھر دوبارہ کرنا چاہے یا اپنی دوسری بیویوں کے پاس آنا چاہے اس کے لئے مستحب ہے کہ دو جماع کے درمیان غسل کرے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو وضو کرے، اس لئے کہ اس سے چستی پیدا ہو جائے گی، لیکن ایک ہی غسل سے اپنی تمام بیویوں کے پاس آسکتا ہے، اور ایک ہی غسل سے اپنی بیوی سے کئی بار جماع کر سکتا ہے۔

## کن صورتوں میں غسل مستحب ہے:

۱۔حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھنے کے وقت، -جب میت کو غسل دے، -جب جنون یا بیہوشی سے افاقہ ہو، -جب مکہ میں داخل ہو، -ہر جماع کے لئے غسل کرنا بھی مستحب ہے، -اور جس عورت کو استحاضہ کا خون آئے اس کے لئے بھی ہر نماز کے لئے غسل مستحب ہے، -جو مشرک کو دفن کرے اس کے لئے بھی غسل کرنا مستحب ہے،

-جو شخص دو مرتبہ یا اس سے زیادہ جماع کرنا چاہے وہ ایک بیوی سے ہو یا کئی بیویوں سے ہو اس کے لئے ایک مرتبہ غسل کافی ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہی غسل سے اپنی تمام بیویوں کے پاس ہو آتے ۔(صحیح البخاری:۲٦۸، صحیح مسلم:۳۰۹)

۹۔ایک ہی غسل حیض اور جنابت دونوں کے لئے کافی ہے، یا جنابت اور جمعہ کے لئے بھی کافی ہے، جب دونوں کی ایک ساتھ نیت ہو۔

۱۰۔ غسل جنابت میں عورت کے لئے اپنے بالوں کو کھولنا واجب نہیں، اور غسل حیض و نفاس میں بالوں کا کھولنا مستحب ہے۔

## غسل کی سنتیں:

۱۔ غسل سے پہلے وضو کرنا -گندگی کو دور کرنا -سر پر تین مرتبہ پانی ڈالنا -اور بقیہ جسم پر تین مرتبہ پانی ڈالنا -اور دائیں جانب سے شروع کرنا -کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، کانوں کے باطنی حصہ کو دھونا۔

## غسل کے پانی کی مقدار:

سنت یہ ہے کہ جنبی ایک صاع پانی سے لے کر پانچ مد تک پانی سے غسل کرے، پس اگر اس سے کم ہو جائے یا اس سے زیادہ ضرورت پڑے مثلا تین صاع تب بھی جائز ہے جیسا کہ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک صاع پانی سے لے کر پانچ مد تک پانی سے غسل کرتے تھے اور ایک مد سے وضو کرتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۰۱، صحیح مسلم: ۳۲۵)

## غسل کے مکروہات

۱۔بیت الخلاء میں غسل کرنا مکروہ ہے اس لئے کہ وہ نجاست کی جگہ ہے، اور اس میں غسل کرنے سے وسوسہ پیدا ہوگا اور پیشاب کرکے پھر اسی جگہ غسل نہ کرے تاکہ نجس نہ ہو۔

۲۔ پانی زیادہ استعمال کرنا۔

۳۔عورت کے بچے ہوئے پانی سے غسل کرنا۔ ۴۔دیوار وغیرہ کا پردہ کئے بغیر نہانا۔
۵۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں نہانا۔

## عورت اور مرد کے غسل جنابت میں تفریق:

غسل جنابت کے طریقے میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں اور نہ ہی ان دونوں میں سے کسی ایک کے لئے بال کھولنا ضروری ہے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ اپنے سر پر پانی کے تین چلو ڈال لے، پھر اپنے سارے جسم پر پانی بہالے۔(فتوی اللجنۃ الدعوۃ:۵/ ۳۲۰)

## عورت کے غسل حیض وجنابت میں فرق:

علامہ البانی رحمہ اللہ اس کے متعلق ساری حدیثوں کو جمع کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ غسل حیض میں مینڈھیاں کھولنا واجب ہے اور غسل جنابت میں کھولنے کی ضرورت نہیں۔(الصحیحۃ:۱۸۸)

# تیمم کا بیان

**تیمم کی لغوی تعریف:** لفظ تیمم مصدر ہے جس کا معنی ہے قصد وارادہ کرنا۔

**تیمم کی شرعی تعریف:** تعبد الہی کی خاطر نماز وغیرہ کی نیت کرتے ہوئے پاک مٹی کے ساتھ چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کرنا۔

**تیمم کا حکم:**

تیمم یہ اس امت کے خصائص میں سے ہے تیمم طہارت حاصل کرنے کے لئے پانی کے بدلے میں ہے، جسے حدث اصغر یا حدث اکبر لاحق ہو جائے اور اسے پانی استعمال کرنا دشوار ہو یا اس وجہ سے کہ پانی نہ ملے یا اس کا استعمال نقصان دہ ہو، یا اس کے استعمال کرنے سے وہ عاجز وبے بس ہو تو اس کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا قُمۡتُمۡ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ فَٱغۡسِلُواْ وُجُوهَكُمۡ وَأَيۡدِيَكُمۡ إِلَى ٱلۡمَرَافِقِ وَٱمۡسَحُواْ بِرُءُوسِكُمۡ وَأَرۡجُلَكُمۡ إِلَى ٱلۡكَعۡبَيۡنِۚ وَإِن كُنتُمۡ جُنُبٗا فَٱطَّهَّرُواْۚ وَإِن كُنتُم مَّرۡضَىٰٓ أَوۡ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوۡ جَآءَ أَحَدٞ مِّنكُم مِّنَ ٱلۡغَآئِطِ أَوۡ لَٰمَسۡتُمُ ٱلنِّسَآءَ فَلَمۡ تَجِدُواْ مَآءٗ فَتَيَمَّمُواْ صَعِيدٗا طَيِّبٗا فَٱمۡسَحُواْ بِوُجُوهِكُمۡ وَأَيۡدِيكُم مِّنۡهُۚ مَا يُرِيدُ ٱللَّهُ لِيَجۡعَلَ عَلَيۡكُم مِّنۡ حَرَجٖ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهُۥ عَلَيۡكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُونَ﴾ [المائدة: ٦]

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنے منھ کو اور اپنے ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھو لو، اپنے سروں کا مسح کرو، اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھو لو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو، یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمم کر لو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لو، اللہ تعالی تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے، تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو"۔

## تیمم کی ابتدا

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں: ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کسی سفر میں نکلے جب بیداء یا ذات جیش (مقام) پر پہونچے تو میرا ہار ٹوٹ کر گر گیا، رسول اللہ ﷺ اسے تلاش کرنے کے لئے ٹھہر گئے اور لوگ بھی آپ کے ساتھ ٹھہر گئے، لیکن وہاں پانی نہ تھا اور نہ لوگوں کے پاس پانی تھا، لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہنے لگے: کیا آپ کو معلوم ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کیا کیا؟ رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کے ساتھ آپ کو بھی ایسے مقام پر ٹھہرا دیا جہاں پانی نہیں ہے، اور نہ ہی لوگوں کے پاس پانی ہے، یہ سن کر ابو بکر رضی اللہ عنہ آئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر سر رکھ کر سو رہے تھے، انھوں نے کہا: تو نے رسول اللہ ﷺ اور لوگوں کو ایسے مقام پر روک دیا ہے جہاں پانی نہیں ہے اور نہ ہی ان کے پاس پانی ہے اور مجھ سے ناراض ہو کر میری کوکھ پر کونچنے (مارنے) لگے لیکن میں نے ہلچل نہیں کی، صرف اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کا سر میری ران پر تھا (اور آپ ﷺ سو رہے تھے) جب صبح کو اٹھے تو پانی نہ تھا، (بعض صحابہ نے بغیر وضو ہی کے نماز پڑھ لی، جیسا کہ دوسری روایت میں ہے) تب اللہ تعالی نے تیمم کی آیت نازل فرمائی، اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ نے کہا: اے ابو بکر کے گھر والو! یہ تمہاری پہلی برکت نہیں ہے (یعنی تمہاری وجہ سے بہت سی برکتیں اور راحتیں مسلمانوں کو نصیب ہوئی ہیں)، عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ پھر ہم نے اپنا وہ اونٹ اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو میرا ہار بھی اس کے نیچے سے برآمد ہو گیا"۔ (نسائی: ۳۱۱، صحیح)

### کس چیز سے تیمم کیا جائے؟

تیمم زمین کی تمام مٹی، ریت اور پتھر سے جائز ہے، چاہے وہ مٹی خشک ہو یا تر۔

### تیمم کا طریقہ:

پہلے نیت کرنا، پھر بسم اللہ کہنا اور اپنے ہاتھوں کے اندرونی حصے سے زمین پر ایک مرتبہ مارنا، پھر انہیں اپنے ہتھیلی پر پھیرنا، پہلے بائیں ہاتھ کا اندرونی حصہ دائیں ہاتھ کے پشت پر پھیرنا، پھر دائیں ہاتھ کا اندرونی حصہ بائیں ہاتھ کے پشت پر پھیرنا جیسا کہ عبد الرحمن بن ابزی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کے پاس

آیا،اور کہنے لگا کہ اگر مجھے جنابت لاحق ہو اور پانی نہ ملے تو کیا کروں عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ کو یاد نہیں ہم دونوں ایک سفر میں تھے اور ہمیں جنابت لاحق ہوئی آپ نے تو نماز ہی نہیں پڑھی اور میں مٹی میں لوٹا اور نماز پڑھ لی پھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ هَكَذَا فَضَرَبَ النَّبِيُّ ﷺ بِكَفَّيْهِ الأَرْضَ وَنَفَخَ فِيهِمَا ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ وَكَفَّيْهِ» ''تمہارے لئے ایسا کرنا کافی تھا، پھر آپ نے اپنی دونوں ہتھیلیاں زمین پر ماریں، اور ان کو پھونک دیا پھر منہ اور دونوں ہتھیلیوں پر مسح کیا''۔(صحیح البخاری:۳۳۸، صحیح مسلم: ۳٦۸)

اور ایک دوسری روایت میں یوں ہے عمار رضی اللہ عنہ تیمم کی صفت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّمَا كَانَ يَكْفِيكَ أَنْ تَصْنَعَ هَكَذَا، فَضَرَبَ بِكَفِّهِ ضَرْبَةً عَلَى الأَرْضِ، ثُمَّ نَفَضَهَا، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا ظَهْرَ كَفِّهِ بِشِمَالِهِ أَوْ ظَهْرَ شِمَالِهِ بِكَفِّهِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا وَجْهَهُ» ''تمہارے لئے ایسا کرنا کافی تھا پھر آپ نے اپنی ہتھیلیوں کو ایک مرتبہ زمین پر مارا، پھر انہیں جھاڑا، پھر بائیں ہاتھ سے دائیں ہاتھ کی پشت پر ملا یا دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کی پشت پر ملا، پھر اپنے منہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیر لیا'' (صحیح البخاری: ۳٤۷، صحیح مسلم: ۳٦۸)۔

## تیمم سے کون کون سی پاکی حاصل ہوتی ہے؟

اگر ایک تیمم سے کئی حدثوں کو دور کرنے کی نیت کرے مثلاً پیشاب اور پاخانہ کیا ہے، اور احتلام ہوا ہے تو ایک تیمم ان تمام احداث کی طرف سے کافی ہوگا اور تیمم کرنے والے کے لئے وہ ساری چیزیں مباح ہوں گی جو وضو کرنے والے کے لئے مباح ہیں مثلاً نماز، طواف، قرآن کا چھونا، مسجد میں ٹھہرنا وغیرہ۔

## نواقض تیمم:

۱۔اگر پانی مل جائے۔ ۲۔جب عذر زائل ہو جائے مثلاً مرض یا حاجت وغیرہ۔

۳۔نواقص وضو (جن کا بیان پیچھے گزر چکا ہے)۔

## تیمم کے چند مسائل:

☆اگر کسی کو پانی اور مٹی دونوں نہ ملے تو وہ اپنی حالت کے مطابق بغیر وضو و تیمم کے نماز پڑھے اور اس پر اعادہ نہیں۔

☆ تیمم حدث اصغر اور حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنے کے لئے مشروع کیا ہے البتہ میل کچیل یا گندگی چاہے وہ بدن پر ہو یا کپڑے پر اس کو تیمم سے زائل نہیں کیا جاسکتا، پس آدمی اگر ان کو زائل نہیں کر سکتا تو جس طرح ہو سکے نماز پڑھ لے۔

☆جو شخص زخمی ہو اور اس بات سے ڈر رہا ہو کہ اگر پانی کا استعمال کرے گا تو پانی اسے نقصان پہنچائے گا وہ زخم پر مسح کرلے اور باقی بدن دھولے اور اگر مسح سے بھی نقصان ہو تو اس کے لئے تیمم کرلے اور باقی اعضاء دھولے۔

☆اگر تیمم کرنے والے نے نماز پڑھ لی ہے اور نماز کے وقت ہی میں اسے پانی مل گیا تو کیا کرنا چاہئے اس کے بارے میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دو آدمی سفر پر نکلے اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا، ان دونوں کے پاس پانی نہیں تھا ان دونوں نے پاک مٹی سے تیمم کیا، اور نماز پڑھ لی، پھر نماز کے وقت ہی میں ان کو پانی مل گیا چنانچہ ان میں سے ایک نے وضو کیا اور نماز دہرایا اور دوسرے نے نہیں دہرایا، پھر دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا: «لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: أَصَبْتَ السُّنَّةَ وَأَجْزَأَتْكَ صَلاتُكَ، وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: لَكَ الأَجْرُ مَرَّتَيْنِ» ”جس نے نہیں دہرایا تھا کہ تم نے سنت کے مطابق کیا، اور تمہاری نماز ہو گئی، اور جس نے نماز اور وضو دہرایا تھا اس سے کہا کہ تمہارے لئے دہرا اجر ہے“۔(سنن أبی داود: ۳۳۸، سنن النسائی: ۴۳۳، صحیح)

# حیض ونفاس کا بیان

## حیض کا لغوی معنی:

لفظ حیض یا محیض مصدر ہے جس کا معنی ہے بہنا یا ماہواری کا خون جاری ہونا۔

## حیض کی اصطلاحی تعریف:

وہ فطری و طبعی خون جو عورت کے رحم سے (ولادت یا امراض سے سلامتی کی حالت میں) بلوغت کے بعد مخصوص ایام میں عورت کی شرم گاہ کے راستے سے ہر ماہ باہر آتا ہے۔

## حیض کی حکمت:

اللہ تعالی نے حیض کے خون کو ایک بڑی حکمت کے پیش نظر پیدا کیا ہے، وہ ماں کے پیٹ میں بچے کے لئے غذا کا کام کرتا ہے اسی لئے حاملہ عورت کو عام طور پر حیض نہیں آتا، پھر جب بچے کی ولادت ہو جاتی ہے تو اللہ تعالی اسے دودھ کی شکل بنا دیتا ہے جو عورت کے پستان سے نکلتا ہے اسی لئے دودھ پلانے والی عورت عام طور پر حائضہ نہیں ہوتی، پھر جب عورت حمل ورضاعت سے فارغ ہو جاتی ہے تو وہ خون رحم میں ٹھہرنے لگتا ہے اور ہر مہینے ہر عورت کے حسب معمول چھ یا سات دن باہر نکلتا ہے۔

## حیض کی مدت:

کم سے کم حیض اور زیادہ سے زیادہ حیض کی تحدید نہیں کی جاسکتی اور نہ اس کے شروع اور اختتام کی تحدید کی جا سکتی ہے۔

## حیض کے خون کی پہچان:

حیض کا خون رحم کی تہ میں موجود ایک رگ سے نکلتا ہے جس کا نام عازل ہے، اس خون کا رنگ کالا گاڑھا اور بدبودار ہوتا ہے اور جب وہ نکلتا ہے تو جمتا نہیں جیسا کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا کی حدیث میں ہے: «إِذَا كَانَ دَمُ

الْحَيْضَةِ: فَإِنَّهُ أَسْوَدُ يُعْرَفُ» ''بلا شبہ حیض کا خون سیاہ رنگ ہوتا ہے جو کہ پہچانا جاتا ہے'' (سنن ابی داود: ۲۸٦، حسن)

## نفاس کی لغوی تعریف:

لفظ نفاس مصدر ہے اس کا معنی ہے بچہ جننا اور اس کی جمع نفساء ہے۔

نفاس کی شرعی تعریف: نفاس ایسا خون جو بچے کی پیدائش سے کچھ پہلے یا ساتھ میں یا بعد میں عورت کی سامنے کی شرمگاہ سے خارج ہو۔

## نفاس کی مدت

عام طور پر نفاس کی مدت چالیس دن ہے اور اگر اس سے پہلے پاک ہو جائے تو وہ غسل کر کے نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور شوہر اس سے جماع کر سکتا ہے اور اگر ساٹھ دن تک خون آیا تو وہ بھی نفاس ہے لیکن اگر مسلسل آنے لگے تو وہ بیماری ہے جیسا کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: «كَانَتِ النُّفَسَاءُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ تَقْعُدُ بَعْدَ نِفَاسِهَا أَرْبَعِينَ يَوْمًا» ''نفاس والی عورتیں عہد رسالت میں چالیس دن عدت گزارتی تھیں'' (سنن أبی داود: ۳۱۱، حسن)

## دوران حمل نکلنے والے خون کا حکم:

اگر حاملہ عورت سے بہت خون نکلے اور بچہ ساقط نہ ہو تو وہ بیماری کی وجہ سے ہے وہ نماز کو اس کی وجہ سے نہ چھوڑے لیکن ہر نماز کے لئے وضو کرے اور اگر وہ حیض کا خون دیکھے جو اپنی حالت وقت اور ایام ماہواری میں آتا ہے تو نماز روزہ وغیرہ چھوڑ دے۔

## حیض اور نفاس والی عورتوں پر کیا حرام ہے

☆ حائضہ اور نفاس والی عورت کے لئے بیت اللہ کا طواف کرنا منع ہے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور غسل کر لے۔

☆حائضہ اور نفاس والی عورت قرآن کریم نہیں چھو سکتی الا یہ کہ غلاف یا کوئی دوسری چیز حائل ہو۔

☆جب تک عورت کو حیض کا خون آئے وہ نماز نہ پڑھے چاہے حیض عادت کے مطابق آئے یا اس سے زیادہ آئے یا اس سے کم آئے، پھر جب وہ پاک ہو جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے، حائضہ عورت روزہ کی قضاء کرے اور نماز کی قضا نہ کرے۔

☆عورت ضرورت کے وقت ایسی دوا کھا سکتی ہے جس سے حیض منقطع ہو جائے بشرط کہ وہ دوا اسے نقصان نہ پہنچائے، ایسی صورت میں وہ پاک مانی جائے گی وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے۔

## حائضہ عورت کے پاک ہونے کی علامت:

جب عورت سفید پانی دیکھے جو حیض بند ہونے کے بعد نکلتا ہے تو وہ اس کے پاک ہونے کی علامت ہے اور جو عورت یہ سفید سائل نہ دیکھے وہ سفید روئی کا ٹکڑا اگر اس حال میں نکلا کہ اس کا رنگ نہیں بدلا ہے تو یہ اس کے طہر کی علامت ہے۔

## زرد اور مٹیالے رنگ کے خون کا حکم:

حیض کے معلوم ایام میں اگر زرد یا مٹیالے رنگ کا خون آئے تو وہ بھی حیض ہے لیکن اگر وہ اس سے پہلے یا بعد میں آئے تو حیض نہیں اس میں وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور اس کا شوہر اس سے مباشرت کرے۔

☆عورت اگر نماز کا وقت ہو جانے کے بعد حائضہ ہوتی ہے یا نماز کا وقت نکل جانے سے پہلے پاک ہوئی ہے تو اس کا نماز پڑھنا اس پر واجب ہے، اسی طرح نفاس والی عورت کا بھی معاملہ ہے۔

☆مرد ازار کے اوپر سے بھی حائضہ عورت سے مباشرت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ میمونہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ أَنْ يُبَاشِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِهِ أَمَرَهَا فَاتَّزَرَتْ وَهِيَ حَائِضٌ» اپنی بیویوں میں سے کسی سے مباشرت (جسم سے جسم ملا کر لیٹنا) چاہتے اور وہ حائضہ ہوتی، تو آپ کے حکم سے وہ پہلے ازار باندھ لیتیں (صحیح البخاری: ۳۰۳، صحیح مسلم: ۲۹۴)

### حائضہ عورت سے جماع کرنا حرام ہے:

حائضہ عورت کے شرمگاہ میں وطی کرنا حرام ہے جیسا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے: ﴿ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ ٱلْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَٱعْتَزِلُوا۟ ٱلنِّسَآءَ فِى ٱلْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ ٱللَّهُ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلتَّوَّٰبِينَ وَيُحِبُّ ٱلْمُتَطَهِّرِينَ ﴾ [البقرة: ٢٢٢] ''آپ سے حیض کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے، حالت حیض میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں ان کے قریب نہ جاؤہاں جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے اللہ نے تمہیں اجازت دی ہے اللہ توبہ کرنے والوں کو اور پاک رہنے والوں کو پسند فرماتا ہے''۔

☆حائضہ عورت سے جماع کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ اس کا دم حیض منقطع نہ ہو جائے اور وہ غسل نہ کرلے اور جس نے غسل سے پہلے جماع کیا وہ گنہگار ہو گا۔

### حالت حیض میں جماع کا کفارہ:

اگر کسی آدمی نے یہ جانتے ہوئے کہ اس کی بیوی حائضہ ہے جماع کرلیا تو وہ گنہگار ہو گا اور اس پر توبہ اور کفارہ ہے پس اگر حیض کے شروع میں جماع کیا ہے تو ایک دینار ہے اور اگر حیض منقطع ہونے کے وقت کیا ہے تو آدھا دینار ہے ۔(ایک دینار ٤،٢٥ گرام سونے کے برابر ہے)جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فیصلہ کیا جو آدمی اپنی بیوی کے پاس حالت حیض میں آئے «يَتَصَدَّقُ بِدِينَارٍ أَوْ نِصْفِ دِينَارٍ» وہ ایک دینار یا نصف دینار صدقہ کرے(سنن ابی داود، ٢٦٤،سنن النسائی ٢٨٩) صحیح موقوف۔

## مستحاضہ کی تعریف:

یہ وہ عورت ہے جسے بغیر وقت کے مسلسل خون آتا ہو۔

## استحاضہ کے خون کی پہچان:

استحاضہ کا خون رحم کے کنارے حصے میں موجود ایک رگ سے آتا ہے جس کا نام عاذل ہے اس خون کا رنگ سرخ پتلا ہوتا ہے اور بدبودار نہیں ہوتا جب وہ نکلتا ہے تو جم جاتا ہے، اس لئے کہ وہ عام رنگ کا خون ہے۔

## مستحاضہ کے غسل کی کیفیت:

مستحاضہ عورت حیض کا خون بند ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ غسل کرے اور ہر نماز کے لئے وضو کرے اوزر اپنی شرم گاہ میں کپڑا رکھے رہے۔

## مستحاضہ کی چار حالتیں ہیں:

۱۔ حیض کی مدت اسے معلوم ہو، اس مدت میں وہ نماز نہ پڑھے اور جب یہ مدت گزر جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے۔

۲۔ حیض کی مدت اسے معلوم نہ ہو ایسی صورت میں وہ چھ یا سات دن نماز نہ پڑھے اس لئے کہ عام طور پر حیض کی مدت یہی ہوتی ہے اور جب یہ مدت گزر جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے۔

۳۔ اس کی عادت ابھی مقرر نہ ہوئی ہو لیکن وہ حیض کا کالا خون غیر حیض سے تمیز کر سکتی ہو ایسی صورت میں وہ چھ یا سات دن نماز نہ پڑھے اور جب یہ مدت گزر جائے تو غسل کرے اور نماز پڑھے۔

۴۔ اس کی کوئی عادت نہ ہو اور نہ ہی خون کے درمیان تمیز کی استطاعت ہو تو وہ چھ یا سات دن رکی رہے پھر غسل کرے اور نماز پڑھے ایسی عورت کو آغاز حیض والی عورت کہا جاتا ہے۔

## عورت کے شرمگاہ سے نکلنے والی چیز کا حکم:

اگر عورت نے نطفہ گرادیا ہے تو یہ نہ حیض ہے اور نہ نفاس اور اگر چار مہینے کا بچہ گرادیا ہے تو یہ نفاس ہے اور اگر ایسا خون کا لوتھڑا یا گوشت کا ٹکڑا گرایا ہے جس میں بچہ کی شکل نمایانہ ہو تو وہ نفاس نہیں ہے اگرچہ خون دیکھے اور اگر ایسا گوشت کا ٹکڑا گرایا ہے جس میں بچے کی شکل وصورت نمایاہو گئی ہو اور تین مہینہ گزر چکا ہو تو یہ نفاس ہے۔

☆مستحاضہ عورت نماز پڑھے، روزہ رکھے، اعتکاف میں بیٹھے اور اس کے علاوہ دوسری عبادتیں کرے جیسا کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیش رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ مجھے استحاضہ کا خون آتا ہے اور میں پاک نہیں ہوتی ہوں (یعنی خون نہیں رکتا ہے) کیا میں نماز چھوڑ دوں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: «لا، إِنَّ ذَلِكِ عِرْقٌ وَلَكِنْ دَعِي الصَّلاَةَ قَدْرَ الأَيَّامِ الَّتِي كُنْتِ تَحِيضِينَ فِيهَا ثُمَّ اغْتَسِلِي وَصَلِّي». نہیں، یہ ایک رگ کا خون ہے (حیض نہیں) لہذا ان ایام میں تم نماز نہ پڑھو جن میں تمہیں حیض آتا تھا، پھر غسل کرو اور نماز پڑھو۔ (صحیح البخاری ۳۲۵، صحیح مسلم ۳۳۳)

☆مرد اور عورت کے لئے قرآن زبانی پڑھنا جائز ہے اگرچہ مرد جنبی ہو یا عورت حائضہ یا جنبی ہو یا اسے نفاس آتا ہو لیکن بہتر یہ ہے کہ وہ طہارت کی حالت میں پڑھے۔

***